اُردو نثر

انتخاب برائے بی - اے (اختیاری)

شعبۂ اردو

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

اردو نثر

انتخاب برائے بی ۔ اے (اختیاری)

شعبۂ اردو

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

(مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ)

قیمت فی جلد . . . ۲ روپے ۷۵ نئے پیسے

فہرست مضامین

—:o:o—

سب رس

(سوال کرنے کی مذمت)

لاج ست کر منگتا منگنہارا، دینہار انین دیا تو شرمندہ ہوتا بیچارا - شرم کا کوئی منگے تو وہاں کہے ہیں دھرشرم، گھرے گھر منگے گا اسے مگنے کی کیا شرم - اسے خوش لگیا ہے منگ لینا، ولے کوئی کیسے کتا وینا - گنج قارون اگر اچھے گا تو بی دیتے دیتے سرے گا، گا ولے بے شرم کا منگتے منگتے پیٹ نا بھرے گا- یو گدا، اس کا چلنچ ایسا سدا - شرم کون نین پچھا نیا، منگنا ایک ہنر کر جانیا - جان گیا وہاں کچھہ منگ لیا، کنے دیا کنے نیں دیا - کان کا نیم کان کا ست، بھی اپنی و ہیچ عادت - اس بات یو بات بات بی آتی، کہ علت جاتی ولے عادت نین جاتی - خوب لو کان کو خدا ہور خدا کے خلیفچہ کی آس، عار آتی منگتے دسریان پاس - دسریان پاس منگتے جیو پر آتا، ایسے لوکان تی کس پاس منگیا کیون جاتا - کسی کا بیڑا پان قبول کرنے کا نیں تاب، ایک بیڑا قبول کیا تو اس میں ہزار حجاب -

خدا نہ کرے جو مر دار حلال ہونے کا وقت آئے کین، تو بی دیکھنا کہ کس پاس منگیا جاتا ہے کہ نیں - خدا کا خلیفہ قسمت کر نہار ہے، اگر یاں منگے تو بارے مگنے کی ٹھار ہے - عیب نین ہے مگنا اس ٹھار، پار شاہ کون اپنا خلیفہ کیا ہے پرور دگار -

پادشاہان پاس حق ہے سب کا منگیا جاتا ہے، خدا دلاتا ہے تو یاں تی کچھہ آتا ہے - نہ کہ جسے دیکھے دنیادار، مگنے کھڑے رہے ہات پسار - صاحب صاحب کہتے پھرتے آس پاس، جانو، پوچھہ صاحب اسیچکے چاکر اسیچکی آس - جکوئی یون کسی کے دیال لگ لگ پیٹ بھوے، بے حیائی پر دل دھرے، پیچھین ہمت کا آدمی لا علاج ہوکر کچھ بی دیتا ہے بچارا کیا کرے -

ایک بار دو بار تین بار مبالغہ چار بار دیا جائے گا، پانچوین بار ایسے آدمی تی آدمی بیزار ہولے گا تنگ آئے گا - یو اپی جاگا پیرتے نین ہلتا. بقول اہل ہند چکنے گھڑے پر پانی ڈھلتا ہے - کوئی بھلا کہو کوئی برا کہو اپنے کون کس کا کہنا اثر نا ہوے، یو بے حیائی کا شراب پیا ہے مست ہے اسے خبر ناوے - در اصل کسی پاس منگتا بھاے آدمی کو معلوم ہے کہ کیا بلا ہے، دل پر کیا آفت کیا زلزلہ ہے - بلکہ قیامت گزرتا ہے، بھوت مشقت گزرتا ہے - ماں باپ ہور خدا پاس بی منگتے دل کو ملاجظہ آتا ہے، یکایک نین منگیا جاتا ہے - لاج کے آدمی کون بھوت آتی لاج،

پچھین ضرور ہوا تو لاعلاج کون کیا علاج - اوکان کا یوفام لوکان کی یو چال اتال، بچارے بھلے آدمیان کا کیا حال - لوکان بھلیان کون برے کر جانتے، بریاں کون بھلے کر پچھانتے بھلے آدمی کون جینا بھوت مشکل دل عیں کیتا همت (دھرے) خدا سب کرے ولے کسے بھلا آدمی نہ کرے - اپنا ھیٹرا آپ کھانا اپنا لہو آپ پینا، دنیا میں بھلے آدمی ھوکر جینا - برے پھسلا جاتے دغارے جاتے، جیوں تیون کس پاس تے کچھ لے جاتے - جان لگن بھلا آدمی ھے وان لگن خوار ھے، برے لوکان کون سب کین ٹھارھے - بھلا آدمی کیون بھاوے، گائے قصا بیچ کون پتیاوے - یو سمجھے نیں دز اصلا، دکھن کا ھے یو مثلا - جو کوئی آوارہ وہ بھائی ھمارا - جکوئی کڑے ھٹ، مارنکا لین نٹ - الٹی چلتی دنیاداری. بھلے لوکان کی ھوی خواری - نا اھل پاس جو سوال کرتا ھے، وہ جیو ناتیں مرنا ھے - بلکه مرنا بہتر ھے، اپنے جیوپر قصد کرنا بہتر ھے - شرم کے آدمی کون شرم کا آدمی اچھے سو جانے، جس میں شرم نیں وہ شرم کے آدمی کون کیا پچھانے - جکوئی جاتے ھیں اپنے ایمان سون رہنے الحیاء تمنع الرزق کے معنے جکوئی جانتے ھیں - حیا کے لوگ اکثر رزق کے باب تنگی سون گزرانتے ہیں - دنیا جھوٹیان کی ھے، دغابازان کی ھے، بے ایمانان کی ھے -

یون خوبی جانتے ھیں حق کڑوا ھے یو کڑوا جسے

میٹھا لتگاو و بڑا، اس باٹ میں پاؤں پھسلتا ھے ھر کوئی نین
ھوتا کھڑا - اگر کسی میں بات سمجھنے کا مایا ھے، تو
حدیث میں الحق مر بھی آیا ھے - اگر تو مون کا رکھنے
منگتا پانی، تو غم کون کھا انکھیان کے انجوپی اے سارے
بھلیان کی زندگانی - اصیل بغیر اصالت کون پاتا ھے، بھلے
ادمی کون اصالت سنبھالنے جیو پر آتا ھے - لاعلاج کو
سکال دوکال ھوتا ھے، تو مردار بھی حلال ھوتا ھے -
بھلے آدمیان تی کس پاس منگیا نین جاتا، انون پر یو واقعہ
فاقہ آتا ھے - بھلے آدمیان کا مگنا ایک اشارت ھے
یا نین تو ایک بات کرنا ھے، اتنے میں کام ھوا تو ھوا نین
تو ایس کام تی در گزرتا ھے - پچھیں خدا جلاوے گا تو
جیوینگے نیں تو مرینگے، بھلے آدمیان کا کرنا اتناچہ ھے
بھی کیا کریں گے -

دنیا دودلیس رکھہ اچھویا سکھہ جون تیون یان وقت
گزر جاتا ھے، وان دیکھیں بریان کا حال ھے ھور
بھلیان کے ھات میں کیا آتا ھے - خدا ابولیا سو سچ ھے،
رسول بولیا سو سچ ھے - وھاں تو بھلے برے کا یوج
بچار ھوے گا، برا ھوے گا سو عزت گنواے گا خوار ھوے
گا، شرمسار ھوے گا - خاطر لیا بھلے لوکان کون خدا ھور
رسول کے باتیچ کا تقوا ھے نین تو دنیا میں جیوبی نین سکتے،
یہاں خوب سمجھکر یہاں کی امید چھوڑے ھیں امید و وھانچہ
کی رکھتے - بھلے لوکان اسی تے دنیا چھوڑے ھیں، دنیا تی

دن کون توڑے ھیں - آدمی بھلے کا شک دنیا میں نا آتے، تو برے لوکان اپنی جفا نا پاتے - برے لوکاں شہر میں کونچے کونچے بھرے ھیں، برے لوکان بھلیان کون برے کرے ھیں- برے لوکان بہوت بھلے لوکان تھوڑے، بھلے لوکان سون بھلا ھو تیو یاری جوڑے - جیتا جیے بھی آخر مرنا ھے، ایتے خاطر کیا کرنا ھے - جو رکھنی مثل ھے مرنا مرنا چوکے نا، الیسا مرنا جو کوئی تھوکے نا جنون تحقیق جانے که پیدا کر نہار ایک خدا ھے، انو کا راہ روش انو کا چلنت جدا ھے - برے لوکان اگر خدا ھے کر جانتے تو بھلے ھوکر اچھتے برائی کون پچھانتے - کچھہ خدا کا ڈر دھرتے برے کا مان ھرگز نہ کرتے - خدا ھے کر جانتا بہوت مشکل ھے، اس کی وحدانیت کو پچھاننا بہوت مشکل ھے - جس تی برے فعل دور ھوے اسے جانتا که یو خدا کون ھے کر جانیا ھے - آلپس کے پیدا کر نہارے کون پچھانیا ھے - دیکھتے کے آنگے کچھہ کیا جاتا ھے، دیکھتے کے آنگے قدرت کا مال لیا جاتا ھے - جکوئی کتے ھیں که خدا سمیع ھے بصیر ھے قادر ھے علیم ھے کر جانتے ھیں تو یو ھوتا نین یو باتان ھین، جانتے کی نشانی فعل نیک ھے دیگر باقی اپنی خاطر حکانیان ھین - بارے ناموس پادشاہ کے حضور نظر راز کا پردہ پھاڑیا اس تازے آب حیات کی بات کاڑ یا ناموس بولیا که اس تازے آب حیات کا قصه ایک ناویل دھرتا ھے، اک تمثیل دھرتا ھے - ھر یک کوئی آکر نا سمجھکر اس

تھاڑ بات کرتا ھے، عقل کون بول لگاتا ھے، فہم پر گھات
کرتا ھے، یو بڑا ایک پیکھنا ھے' یہان اندیشہ کر دیکھنا ھے -
آب حیات کتے سو وہ آب حیات مرد کے مون کا پانی، جو
لگن ہو پانی تو لگن مرد کی زندگانی - اس پانی کی خاطر
لوکان مرتے، کیا کیا مشقت جونین سو کرتے -

--:o:--

سیر تیسرے درویش کی

باغ و بہار

تیسرا درویش کوٹ باندھ بیٹھا، اور اپنے سیر کا بیان اس طرح سے کرنے لگا

احوال اس فقیر کا اے دوستاں سنو
یعنی جو مجھ پر بیتی ہے وہ داستاں سنو
جو کچھ کہ شاہ عشق نے مجھ سے کیا سلوک
تفصیل وار کرتا ہوں اس کا بیان سنو

کہ یہ کمترین پادشاہ زادہ عجم کا ہے - میرے ولی نعمت وہاں کے پادشاہ تھے' اور سوا میرے کوئی فرزند نہ رکھتے تھے - میں جوانی کے عالم میں مصاحبوں کے ساتھ چوپڑ گنجیفہ شطرنج تختہ نرد کھیلا کرتا یا سوار ہو کر سیروشکار میں مشغول رہتا - ایک دن کا یہ ماجرا ہے' کہ سواری تیار کروا کر اور سب یار آشناؤں کو لیکر میدان

کی طرف نکلا - باز بہری جرہ باشا سرخاب اور تیتروں پر اڑاتا ہوا دور نکل گیا - عجب طرح کا ایک قطعہ بہار کا نظر آیا، کہ جدھر نگاہ جاتی تھی کو سوں تلک سبزہ اور پھولوں سے لال زمین نظر آتی تھی - یہ سماں دیکھکر گھوڑوں کی باگیں ڈال دیاں، اور قدم قدم سیر کرتے ہوئے چلے جاتے تھے - ناگاہ اس صحرا میں دیکھا کہ ایک کالا ہرن اس پر زر بفت کی جھول اور بھنور کلی مرصع کی اور گھونگر و سونے کے زردوزی پٹے میں ٹکے ہوئے گلے میں پڑے خاطر جمع سے اس میدان میں (کہ جہاں انسان کا دخل نہین اور پرندہ پر نہیں مارتا) چرتا پھرتا ہے - ہمارے گھوڑوں کے سم کی آہٹ پاکر چونکنا ہوا اور سر اٹھاکر دیکھا اور آہستہ آہستہ چلا -

مجھے اس کے دیکھنے سے یہ شوق ہوا کہ رفیقوں سے کہا کہ تم یہیں کھڑے رہو، میں اُسے جیتا پکڑوں گا - خبردار تم قدم آگے نہ بڑھائیو اور میرے پیچھے نہ آئیو، اور گھوڑا میری رانوں تلے ایسا پرند تھا کہ بارہا ہرنوں کے اوپر دوڑاکر ان کی کرچھالوں کو بھلا کر ہاتھوں سے پکڑ پکڑ لئے تھے - اس کے عقب دوڑایا، وہ دیکھ کر چھلانگیں بھرنے لگا اور ہوا ہوا - گھوڑا بھی باد سے باتیں کرتا تھا، لیکن اس کی گرد کو نہ پہنچا - وہ رہوار بھی پسینے پسینے ہو گیا اور میری بھی جیبھ مارے پیاس کے چٹخنے لگی پر کچھ بس نہ چلا - شام ہونے لگی، اور میں کیا جانوں کہاں سے

کہاں نکل آیا ؟ لاچار ہو کر اسے بھلاوا دیا اور ترکش میں سے تیر نکال کر اور قربان سے کمان سنبھال کر چلے میں جوڑ کر کشش کان تلک لاکر ران کو اس کی تاک - اللہ اکبر کہکر مارا - بارے پہلا ہی تیر اس کے پاؤں میں ترازو ہوا، تب لنگڑاتا ہوا پہاڑ کے دامن کی سمت چلا - فقیر بھی گھوڑے پر سے اتر پڑا، اور پا پیادہ اس کے پیچھے لگا - اس نے کوہ کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اس کا ساتھہ دیا - کئی اتار چڑھاؤ کے بعد ایک گنبد نظر آیا، جب پاس پہنچا ایک باغچہ اور ایک چشمہ دیکھا - وہ ہرن تو نظروں سے چھلاوا ہو گیا، مین نہایت تھکا تھا، ہاتھہ پاؤں ہارنے لگا -

ایک بارگی آواز رونے کی اس برج کے اندر سے میرے کان میں آئی، جیسے کوئی کہتا ہے، کہ اے بچے ! جس نے تجھے تیر مارا میری آہ کا تیر اس کے کلیجے میں لگیو، وہ اپنی جوانی سے پھل نہ پاوے، اور خدا اس کو میرا سا دکھیا بناوے ! میں یہ سنکر وہاں گیا، دیکھا تو ایک بزرگ ریش سفید اچھی پوشاک پہنے ایک مسند پر بیٹھا ہے، اور ہرن آگے لیٹا ہے، اس کی جانگھہ سے تیر کھینچتا ہے اور بددعا دیتا ہے - میں نے سلام کیا اور ہاتھہ جوڑ کر کہا، کہ حضرت سلامت، یہ تقصیر نادانستہ اس غلام سے ہوئی میں یہ نہ جانتا تھا، خدا کے واسطے معاف کرو - بولا کہ بے زبان کو تونے ستایا ہے، اگر انجان یہ حرکت تجھہ سے ہوئی، اللہ معاف کرے گا - میں پاس

جابیٹھا اور تیر نکالنے میں شریک ہوا - بڑی دقت سے تیر کو نکالا، اور زخم میں مرہم بھر کے چھوڑ دیا - پھر ہاتھ دھو کر اس پیر مرد نے کچھ حاضری جو اس وقت موجود تھی مجھے کھلائی - میں نے کھا پی کر ایک چارپائی پر لمبی تانی - ماندگی کے سبب خوب پیٹ بھر کر سویا، اس نیند میں آواز نوحۂ و زاری کان میں آئی، آنکھیں ملکر جو دیکھتا ہوں تو اس مکان میں نہ وہ بوڑھا ہے نہ کوئی اور ہے - اکیلا میں پلنگ پر لیٹا ہوں اور وہ دالان خالی پڑا ہے ۰ چاروں طرف بھیانک ہوکر دیکھنے لگا - ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا، وہاں جاکر اُسے اٹھایا دیکھا تو ایک تخت بچھا ہے اور اس پر ایک پریزاد عورت برس چودہ ایک کی مہتاب کی سی صورت اور زلفیں دونوں طرف چھوٹی ہوئیں ھنستا چہرہ فرنگی لباس پہنے ہوئے عجب ادا سے دیکھتی ہے اور بیٹھی ہے - اور وہ بزرگ اپنا سر اس کے پاؤں پر دھرے بےاختیار رو رہا ہے، اور ہوش و حواس کھو رہا ہے - میں اس پیر مرد کا یہ احوال اور اُس نازنین کا حسن و جمال دیکھکر مرجھا گیا، اور مردے کی طرح بیجان ہوکر گر پڑا - وہ مردبزرگ یہ میرا حال دیکھ کر شیشہ گلاب کا لے آیا اور مجھ پر چھڑکنے لگا - جب میں جیتا اٹھ کر اس معشوق کے مقابل جاکر سلام کیا، اس نے ہرگز ہاتھ نہ اٹھایا اور نہ ہونٹھ ہلایا - میں نے کہا اے گلبدن اتنا غرور کرنا اور جواب سلام کا نہ دینا کس مذہب میں درست ہے -

کم بولنا ادا ہے ہر چند، پر نہ اتنا
مند جائے چشم عاشق، تو بھی وہ منھ نہ کھولے

واسطے اس خدا کے جس نے تجھے بنایا ہے کچھ تو منھ سے بول - ہم بھی اتفاقاً یہاں آنکلے ہیں، مہمان کی خاطر ضرور ہے - میں نے بہتیری باتیں بنائیں لیکن کچھ کام نہ آئیں، وہ چپکے بت کی طرح سنا کی، تب میں نے بھی آگے بڑھ کر ہاتھ پاؤں پر چلایا، جب پاؤں کو چھڑایا تو سخت معلوم کہ آخر یہ دریافت کیا کہ پتھر سے اس لعل کو تراشا ہے، اور آزر نے اس بت کو بنایا ہے- تب اس پیر مرد بت پرست سے پوچھا، کہ میں نے تیرے ہرن کی ٹانگ میں کھپرا مارا، تو نے اس عشق کی ناوک سے میرا کلیجہ چھید کر وار پار کیا، تیری دعا قبول ہوئی، اب اس کی کیفیت مفصل بیان کر کہ یہ طلسم کیوں بنایا ہے، اور تو نے بستی کو چھوڑ کر جنگل پہاڑ کیوں بسایا ہے؟ تجھ پر جو کچھ بیتا ہے مجھ سے کہہ -

جب اس بت کا بہت پیچھا لیا تب اس نے جواب دیا، کہ اس بات نے مجھے تو خراب کیا- کیا تو بھی سنکر ہلاک ہوا چاہتا ہے؟ مین نے کہا، لو اب بہت مکر چکر کیا، مطلب کی بات کہو، نہیں تو مار ڈالوں گا- مجھے نہایت در پے دیکھ کر بولا اے جوان! حق تعالی ہر ایک انسان کو عشق کی آگ سے محفوظ رکھے، دیکھ تو اس عشق نے کیا کیا آفتیں برپا کی ہین! عشق ہی کے مارے عورت خاوند کے

ساتھہ ستی ہوتی ہے ، اور اپنی جان کھوتی ہے، اور فرہاد و مجنوں کا قصہ سب کو معلوم ہے، تو اس کے سننے سے کیا پھل پاوے گا؟ نا حق گھر بار دولت دنیا چھوڑ چھاڑ کر نکل جاوے گا؟ میں نے جواب دیا، بس اپنی دوستی نہ کر رکھو، اس وقت مجھے اپنا دشمن سمجھو، اگر جان عزیز ہے تو صاف کہو- لاچار ہوکر آنسو بھر لایا اور کہنے لگا، کہ مجھہ خانہ خراب کی یہ حقیقت ہے، کہ بندے کا نام نعمان سیاح ہے، میں بڑا سوداگر تھا اس سن میں تجارت کے سبب ہفت اقلیم کی سیر کی، اور سب بادشاہوں کی خدمت میں رسائی ہوئی-

ایک بار یہ خیال جی میں آیا، کہ چاروں دانگ ملک تو پھرا لیکن جزیرۂ فرنگ کی طرف نہ گیا، اور وہاں کے بادشاہ کو اور رعیت و سپاہ کو نہ دیکھا اور رسم راہ وہاں کی کچھہ نہ دریافت ہوئی، ایک دفعہ وہاں بھی چلا چاہیئے، رفیقوں اور شفیقوں سے صلاح لیکر ارادہ مصمم کیا، اور تحفہ ہدایا جہاں تہاں کا جو وہاں کے لائق تھا لیا، اور ایک قافلہ سوداگروں کا اکٹھا کر کر جہاز پر سوار ہوکر روانہ ہوا ہوا جو موافق پائی کئی مہینوں میں اس ملک میں جا داخل ہوا، شہر میں ڈیرا کیا- عجب شہر دیکھا کہ کوئی شہر اس شہر کی خوبی کو نہیں پہنچتا، ہر ایک بازار و کوچے میں پختہ سڑکیں بنی ہوئی اور چھڑکاؤ کیا ہوا، صفائی ایسی کہ ایک تنکا کہیں پڑا نظر نہ آیا کوڑے کا تو کیا ذکر ہے؟

اور عمارتیں رنگ برنگ کی اور رات کو رستوں میں دو رستہ قدم بہ قدم روشنی اور شہر کے باہر باغات کہ جن میں عجائب گل بوٹے اور میوے نظر آئے، کہ شاید سوائے بہشت کے کہیں اور نہ ہوں گے - جو وہاں کی تعریف کروں سو بجا ہے - غرض سوداگروں کے آنے کا چرچا ہوا، ایک خواجہ سرا معتبر سوار ہوکر اور کئی خدمت گار ساتھہ لے کر قافلے میں آیا اور بیوپاریوں سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون سا ہے؟

سبھوں نے میری طرف اشارت کی، وہ محلی میرے مکان میں آیا، میں تعظیم بجالایا، باہم سلام علیک ہوئی، اس کو سوزنی پر بیٹھایا، تکئے کی تواضع کی - بعد اس کے میں نے پوچھا کہ صاحب کے تشریف لانے کا کیا باعث ہے؟ فرمائیے - جواب دیا کہ شہزادی نے سنا ہے کہ سوداگر آئے ہیں، اور بہت جنس لائے ہیں، لہذا مجھکو حکم کیا کہ جاکر ان کو حضور میں لے آؤ - پس تم جو کچھہ اسباب لائق بادشاہوں کی سرکار کے ہو ساتھہ لے کر چلو، اور سعادت آستانہ بوسی کی حاصل کرو -

میں نے جواب دیا کہ آج تو ماندگی کے باعث قاصر ہوں، کل جان و مال سے حاضر ہوں، جو کچھہ اس عاجز کے پاس موجود ہے نذر گزرانونگا - جو پسند آوے مال سرکار کا ہے - یہ وعدہ کرکر اور عطر پان دیکر خواجہ کو رخصت کیا اور سب سوداگروں کو اپنے پاس بلا کر جو جو تحفہ جس کے پاس تھا لے لے کر جمع کیا، اور جو میرے گھر

میں تھا وہ بھی لیا، اور صبح کے وقت دروازے پر بادشاہی محل کے حاضر ہوا۔ بارے دروان نے میری خبر عرض کی، حکم ہوا کہ حضور میں لاؤ، وہی خواجہ سرا نکلا اور میرا ہاتھ ہاتھ میں لے کر دوستی کی راہ سے باتیں کرتا ہوا لے چلا۔ پہلے خواص پرے سے ہو کر ایک مکان عالی شان میں لے گیا۔ اے عزیز تو باور نہ کرے گا یہ عالم نظر آیا گویا پر کاٹ کر پریوں کو چھوڑ دیا ہے۔

جس طرف دیکھتا تھا نگاہ گڑ جاتی تھی، پاؤں زمین سے اکھڑے جاتے تھے۔ بہ زور اپنے تئیں سنبھالتا ہوا روبرو پہنچا۔ جونہیں پادشاہ زادی پر نظر پڑی غش کی نوبت ہوئی، اور ہاتھ پاؤں میں رعشہ ہو گیا۔ بہر صورت سلام کیا، دونوں طرف دست راست اور دست چپ صف بہ صف ناز نیناں پری چہرہ دست بستہ کھڑی تھیں۔ میں جو کچھ قسم جواہر اور پارچۂ پوشاکی اور تحفہ اپنے ساتھ لے گیا تھا، جب کئی کشتیاں حضور میں چنی گئیں (از بسکہ سب جنس لائق پسند کے تھی) خوش ہو کر خانساماں کے حوالے ہوئے اور فرمایا کہ قیمت اس کی بہ موجب فرد کے کل دی جائے گی۔ میں تسلیمات بجا لایا اور دل میں خوش ہوا کہ اس بہانے سے بھلا کل بھی آنا ہوگا۔ جب رخصت ہو کر باہر آیا تو سودائی طرح کہتا کچھ تھا اور منہ سے کچھ نکلتا تھا۔ اسی طرح سرا میں آیا لیکن حواس بجا نہ تھے سب آشنا دوست پوچھنے لگے کہ تمہاری کیا حالت ہے؟ میں نے کہا اتنی آمدورفت سے گرمی دماغ میں چڑھ گئی ہے۔

غرض وہ رات تلپھتے کاٹی، فجر کو پھر جاکر حاضر ہوا اور اسی خواجہ کے ساتھہ پھر محل میں پہنچا، وہی عالم جو کل دیکھا تھا دیکھا، پادشاہ زادی نے مجھے دیکھا اور ہر ایک کو اپنے اپنے کام پر رخصت کیا - جب پرچھا ہوا خلوت میں اٹھ گئیں، اور مجھے طلب کیا - جب میں وہاں گیا، بیٹھنے کا حکم کیا، میں آداب بجا لاکر بیٹھا، فرمایا کہ یہاں جو تو آیا اور اسباب لایا اس میں منافع کتنا منظور ہے ؟ میں نے عرض کی کہ آپ کے قدم دیکھنے کی بڑی خواہش تھی، سو خدا نے میسر کی، اب میں نے سب کچھ پھر پایا، اور دونوں جہاں کی سعادت حاصل ہوئی، اور قیمت جو کچھ فہرست میں ہے نصف کی خرید ہے، اور نصف نفع ہے - فرمایا نہیں، جو قیمت تونے لکھی ہے وہ عنایت ہوگی، بلکہ اور بھی انعام دیا جائے گا - بشرطیکہ ایک کام تجھ سے ہوسکے تو حکم کروں - میں نے کہا غلام کا جان و مال اگر سرکار کے کام آوے تو میں اپنے طالعوں کی خوبی سمجھوں، اور آنکھوں سے کروں - یہ سنکر قلمدان یاد فرمایا ایک شقہ لکھا اور موتیوں کی دلبان میں رکھہ کر ایک رومال شبنم کا اوپر لپیٹ کر میرے حوالے کیا، اور ایک انگوٹھی نشان کے واسطے انگلی سے اتار دی اور کہا، کہ اس طرف کو ایک بڑا باغ ہے، دلکشا اس کا نام ہے، وہاں تو جاکر ایک شخص کیخسرو نام داروغہ ہے - اس کے ہاتھ میں یہ انگشتری دیجیو، اور ہماری طرف سے دعا

کہیو اور اس رقعہ کا جواب مانگیو لیکن جلد آئیو، اگر کھانا
وہاں کھائیو تو پانی یہاں پیجیؤ - اس کام کا انعام تجھے ایسا
دونگی کہ تو دیکھے گا - میں رخصت ہوا اور پوچھتا پوچھتا
چلا - قریب دو کوس کے جب گیا تو وہ باغ نظر پڑا -
جب پاس پہونچا ایک عزیز مسلح مجھہ کو پکڑ کے دروازے
میں باغ کے لے گیا - دیکھوں تو ایک جوان شیر کی سی
صورت سونے کی کرسی پر زرہ داؤدی پہنے چار آئنہ باندھے
فولادی خود سر پر دھرے نہایت شان و شوکت سے بیٹھا
ہے، اور پان سے جوان تیار ڈھال تلوار ہاتھہ میں لئے اور
ترکش کمان باندھے مستعد یرا باندھے کھڑے ہیں - میں نے
سلام کیا، مجھے نزدیک بلایا - میں نے وہ خاتم دی اور
خوشامد کی باتیں کر کر وہ رومال دکھایا، اور شقے
کے بھی لانے کا احول کہا - اس نے سنتے ہی انگلی دانتوں
سے کاٹی، اور سر دھن کر بولا کہ شائد تیری اجل تجھہ
کو لے آئی ہے، خیر باغ کے اندر جا - سرو کے درخت
میں ایک آہنی پنجرہ لٹکتا ہے، اس میں ایک جوان قید ہے،
اس کو یہ خط دیکر جواب لیکر جلدی پھر آ - میں شتاب باغ
میں گھسا، باغ کیا تھا، گویا جیتے جی بہشت میں گیا ایک
ایک چمن رنگ برنگ کا پھول رہا تھا، اور فوارے چھوٹ
رہے رہے تھے، جانور چہچہے مار رہے تھے -

میں سیدھا چلا گیا اور اس درخت میں وہ قفس دیکھا - اس
میں ایک جوان حسین نظر آیا میں نے ادب سے سر نہوڑ آیا اور

سلام کیا، اور وہ خریطہ سر بمہر پنجرے کی تیلیوں کی راہ سے دیا - وہ عزیز رقعہ کھول کر پڑھنے لگا اور مجھہ سے مشتاق وار احوال ملکہ کا پوچھنے لگا - ابھی باتیں تمام نہ ہوئیں تھیں کہ ایک فوج زنگیوں کی نمود ہوئی اور چاروں طرف سے مجھہ پر آ ٹوٹی اور بے تحاشا برچھی و تلوار مار نے لگی - ایک آدمی نہتھے کی بساط کیا؟ ایک دم میں چور زخمی کردیا، مجھے کچھہ اپنی سدہ بدہ نہ رہی - پھر جو ہوش آیا اپنے تئیں چار پائی پر پایا کہ وہ پہادے اٹھائے لیئے جاتے ہیں، اور آپس میں بتیاتے ہیں - ایک نے کہا اس مردے کی لوتھہ کو میدان میں پھینک دو، کتے کوے کھائیں گے، دوسرا بولا اگر پادشاہ تحقیق کرے اور خبر پہنچے تو جیتا گڑوادے اور بال بچوں کو کولھو میں پڑوادے - کیا ہمیں اپنی جان بھاری پڑی ہے جو ایسی نامعقول حرکت کریں -

میں نے یہ گفتگو سنکر دونوں یا جوج ما جوج سے کہا کہ واسطے خدا کے مجھہ پر رحم کرو، ابھی مجھہ میں ایک رمق جان باقی ہے، جب مرجاؤں گا جو تمہارا جی چاہے سو کیجیو - مردہ بدست زندہ، لیکن یہ تو کہو مجھہ پر یہ کیا حقیقت بیتی، مجھے کیوں مارا، اور تم کون ہو؟ بھلا اتنا تو کہہ سناؤ - تب انہوں نے رحم کہا کر کہا کہ وہ جوان جو قفس میں بند ہے اس پادشاہ کا بھتیجا ہے، اور پہلے اس کا باپ تخت نشین تھا - رحلت کے وقت یہ وصیت اپنے بھائی

کو کی، کہ ابھی بیٹا جو وارث اس سلطنت کا ہے لڑکا اور بے شعور ہے، کاروبار بادشاہت کا خیر خواہی اور ہوشیاری سے تم کیا کیجیو - جب یہ بالغ ہو اپنی بیٹی سے شادی اس کی کردیجیو، اور مختار تمام ملک اور خزانے کا کیجیو - یہ کہہ کر انہوں نے وفات پائی، اور سلطنت کی نوبت چھوٹے بھائی پر آئی - اس نے وصیت پر عمل نہ کیا، بلکہ دیوانہ اور سودائی مشہور کر کے پنجرے میں ڈال دیا، اور چوکی گاڑھی چاروں طرف باغ کے رکھی ہے کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا، اور کئی مرتبے زہر ہلاہل دیا ہے، لیکن زندگی زبردست ہے اثر نہیں کیا - اب وہ شہزادی اور یہ شہزادہ دونوں عاشق معشوق بن رہے ہیں - وہ گھر میں تلپھے ہے، اور یہ قفس تڑپھے ہے - میرے ہاتھہ شوق کا نامہ اس نے بھیجا، یہ خبر ہرکاروں نے بجنس بادشاہ کو پہنچائی، حبشیوں کا دستہ متعین ہوا، تیرا یہ احوال کیا اور اس جوان قیدی کے قتل کی وزیر سے تدبیر پوچھی - اس نمک حرام نے ملکہ کو راضی کیا ہے کہ اس بے گناہ کو بادشاہ کے حضور اپنے ہاتھہ سے شہزادی مار ڈالے - میں نے کہا چلو مرتے مرتے یہ بھی تماشا دیکھہ لیں - آخر راضی ہوکر وہ دونوں اور میں زخمی چپکے ایک گوشے میں جاکر کھڑے ہوئے، دیکھا تو تخت پر بادشاہ بیٹھا ہے اور ملکہ کے ہاتھہ میں ننگی تلوار ہے اور شہزادے کو پنجرے سے باہر نکال کر روبرو کھڑا کیا - ملکہ جلاد بنکر شمشیر برہنہ لئیے ہوئے اپنے عاشق کو قتل کرنے کو

آئی - جب نزدیک پہنچی تلوار پھینک دی اور گلے میں چمٹ گئی - تب وہ عاشق بولا کہ ایسے مرنے پر میں راضی ہوں - یہاں بھی تیری آرزو ہے وہاں بھی تیری تمنا رہے گی - ملکہ بولی کہ اس بہانے سے میں تیرے دیکھنے کو آئی تھی - پادشاہ یہ حرکت دیکھکر سخت برہم ہوا اور وزیر کو ڈانٹا کہ تو یہ تماشا مجھے دکھلانے کو لایا تھا؟ محلی ملکہ کو جدا کر کے محل میں لے گئے، اور وزیر نے خفا ہو کر تلوار اُٹھائی اور پادشاہ زادے کے اوپر دوڑا کہ ایک ہی وار میں کام اس بچارے کا تمام کرے - جوں چاہتا ہے کہ تیغا چلاوے غیب سے ایک تیر ناگہانی اس کی پیشانی پر بیٹھا کہ دو سار ہو گیا اور وہ گر پڑا - پادشاہ یہ وازدات دیکھہ کر محل میں گھس گئے، جوان کو پھر قفس میں بند کر کے باغ میں لے گئے - میں بھی وہاں سے نکلا - راہ میں سے ایک آدمی مجھے بلا کر ملکہ کے حضور میں لے گیا - مجھے گھائل دیکھہ کر ایک جراح کو بلوایا اور نہایت تقید سے فرمایا کہ اس جوان کو جلد چنگا کر کے غسل شفا کا دے، یہی تیرا مجرا ہے، اس کے اوپر جتنی محنت تو کرے گا ویسا ہی انعام اور سرفرازی پاوے گا - غرض وہ جراح بموجب ارشاد ملکہ کے تگ و دو کر کے ایک چلے میں نہلا دھلا مجھے حضور میں لے گیا - ملکہ نے پوچھا کہ اب تو کچھہ کسر باقی نہیں رہی؟ میں نے کہا کہ آپ کی توجہ سے اب ہٹا کٹا ہوں - تب ملکہ نے ایک خلعت اور

بہت سے روپے جو فرمائے تھے بلکہ اس سے بھی دو چند عطا کئے اور رخصت کیا۔

میں نے وہاں سے سب رفیق اور نوکر چاکروں کو لیکر کوچ کیا۔ جب اس مقام پر پہنچا سب کو کہا، تم اپنے وطن کو جاؤ اور میں اس پہاڑ پر یہ مکان اور اس کی بنا پر اپنا رہنا مقرر کیا، اور نوکروں اور غلاموں کو موافق ہر ایک کی قدر کے روپئے دیکر آزاد کیا اور یہ کہدیا کہ جب تلک میں جیتا رہوں میرے قوت کی خبرگیری تمہیں ضرور ہے، آگے مختار ہو۔ اب وہی اپنی نمک حلالی سے میرے کھانے کی خبر لیتے ہیں۔ اور میں بہ خاطر جمع اس بت کی پرستش کرتا ہوں۔ جب تلک جیتا ہوں میرا یہی کام ہے۔ یہ میری سرگذشت ہے جو تو نے سنی۔ یا فقرا میں نے بہ مجرد سنے اس قصے کے کفنی گلے میں ڈالی، اور فقیروں کا لباس کیا اور اشتیاق میں فرنگ کے ملک کے دیکھنے کے روانہ ہوا۔ کتنے ایک عرصہ میں جنگل پہاڑوں کی سیر کرتا ہوا مجنوں اور فرہاد کی صورت بن گیا۔

آخر میرے شوق نے اس شہر تلک پہنچایا، گلی کوچے میں باؤلا سا پھرنے لگا، اکثر ملکہ کے محل کے آس پاس رہا کرتا، لیکن کوئی ڈھب ایسا نہ ہوتا جو وہاں تلک رسائی ہو۔ عجب حیرانی تھی کہ جس واسطے یہ محنت کشی کر کر گیا وہ مطلب ہاتھہ نہ آیا۔ ایک دن بازار میں کھڑا تھا کہ ایک بارگی آدمی بھاگنے لگے، اور دوکاندار دوکانیں بند کر کے چلے گئے

یا وہ رونق تھی یا سنسان ہوگیا۔ ایک طرف سے ایک جوان رستم کا سا کلہ جبڑا شیر کی مانند گونجتا اور تلوار دو دستی جھاڑتا ہوا زرہ بکتر گلے میں اور ٹوپ جھلم کا سر پر اور طمنچے کی جوڑی کمر میں کیفی کی طرح بکتا جھکتا نظر آیا، اور اس کے پیچھے دو غلام بنات کی پوشاک پہنے ایک تابوت مخمل کاشانی سے مڑھا ہوا سر پر لئے چلے آتے ہیں۔

میں نے یہ تماشا دیکھ کر ساتھ چلنے کا قصد کیا۔ جو کوئی آدمی میری نظر پڑتا مجھے منع کرتا، لیکن میں کب سنتا ہوں؟ رفتہ رفتہ وہ جوان مرد ایک عالی شان مکان میں چلا، میں بھی ساتھ ہوا، اس نے پھرتے ہی چاہا کہ ایک ہاتھ مارے اور مجھے دو ٹکڑے کرے، میں نے اسے قسم دی کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں میں نے اپنا خون معاف کیا، کسوطرح مجھے اس زندگی کے عذاب سے چھڑا رے کہ نہایت بہ تنگ آگیا ہوں۔ میں جان بوجھکر تیرے سامنے آیا ہوں دیر مت کر مجھے مرنے پر ثابت قدم دیکھکر خدا نے اس کے دل میں رحم ڈالا، اور غصہ بھی ٹھنڈا ہوا۔ بہت توجہ اور مہربانی سے پوچھا کہ تو کون ہے، اور کیوں اپنی زندگی سے بیزار ہوا ہے؟ میں نے کہا ذرا بیٹھئے تو کہوں، میرا قصہ بہت دور و دراز ہے، اور عشق کے پنجے میں گرفتار ہوں اس سبب سے لاچار ہوں۔ یہ سنکر اس نے اپنی کمر کھولی اور ہاتھ منہ دھودھا کر کچھ ناشتہ کیا، مجھے بھی باعث ہوا۔ جب فراغت کر کے بیٹھا بولا، کہ تجھ پر کیا گزری؟ میں نے سب واردات اس

پیر مرد کی اور ملکہ کی اور اپنی وہاں جانے کی کہہ سنائی۔ پہلے سن کر رویا اور یہ کہا کہ اس کمبخت نے کس کس کا گھر گھالا، لیکن بھلا تیرا علاج میرے ہاتھہ میں ہے۔ اغلب ہے کہ اس عاصی کے سبب سے تو اپنی مراد کو پہنچے، اور تو اندیشہ نہ کر اور خاطر جمع رکھہ۔ حجام کو فرمایا کہ اس کی حجامت کر کے حمام کروادے۔ ایک جوڑا کپڑا اس کے غلام نے لاکر پہنایا، تب مجھہ سے کہنے لگا کہ یہ تابوت جو تو نے دیکھا اسی شہزادۂ مرحوم کا ہے جو قفس میں مقید تھا، اس کو دوسرے وزیر نے آخر مکر سے مارا۔ اس کی تو نجات ہوئی کہ مظلوم مارا گیا، میں اس کا کوکا ہوں، میں نے بھی اس وزیر کو یہ ضرب شمشیر مارا، اور بادشاہ کے مارنے کا ارادہ کیا پادشاہ گڑگڑایا اور سوگند کھانے لگا کہ میں بے گناہ ہوں، میں نے اسے نامرد جان کر چھوڑ دیا تب سے میرا کام یہی ہے کہ ہر مہینے کی نوچندی جمعرات کو میں اس تابوت کو اسی طرح شہر میں لئے پھرتا ہوں اور اس کا ماتم کرتا ہوں۔ اس کی زبانی یہ احوال سننے سے مجھے تسلی ہوئی کہ اگر یہ چاہیگا تو میرا مقصد بر آویگا، خدا نے بڑا احسان کیا جو ایسے جنونی کو مجھہ پر مہربان کیا، سچ ہے خدا مہربان ہو تو کل مہربان جب شام ہوئی اور آفتاب غروب ہوا اُس جوان نے تابوت کو نکالا اور ایک غلام کے عوض وہ تابوت میرے سر پر دھرا اور اپنے ساتھہ لے کر چلا۔ فرمانے لگا کہ ملکہ کے نزدیک جاتا ہوں، تیری سفارش تابہ مقدور کروں گا، تو ہرگز دم

نہ ماریو، چپکا بیٹھا سنا کیجیو - میں نے کہا جو کچھہ صاحب فرماتے ہیں سوہی کروں گا- خدا تم کو سلامت رکھے جو میرے احوال پر ترس کھاتے ہو - اس جوان نے قصد پادشاہی باغ کا کیا، جب اندر داخل ہؤا ایک چبوترہ سنگ مرمر کا ہشت پہلو باغ کے صحن میں تھا اور اس پر ایک نمگیرہ سفید بادلے کا موتیوں کی جھالر لگی ہوئی الماس کے استادوں پر کھڑا تھا، اور ایک مسند مغرق بچھی ہوئی تھی، گاؤ تکیہ اور بغلی تکیے زر بفت کے لگے ہوئے، وہ تابوت وہاں رکھوایا اور اور ہم دونوں کو فرمایا کہ اس درخت کے پاس جاکر بیٹھو - بعد ایک ساعت کے مشعل کی روشنی نظر آئی، ملکہ آپ کئی خواصیں لیس و پیش اہتمام کرتی ہوئیں تشریف لائیں، لیکن اداسی اور خفگی چہرے پر ظاہر تھی، آکر مسند پر بیٹھیں - یہ کوکا ادب سے دست بستہ کھڑا ہوا، پھر ادب سے دور فرش کے کنارے مؤدب بیٹھا - فاتحہ پڑھیں اور کچھہ باتیں کرنے لگا - میں کان لگائے سن رہا تھا - آخر اس جوان نے کہا کہ ملکۂ جہاں سلامت ! ملک عجم کا شہزادہ آپ کی خوبیاں اور محبوبیاں غائبانہ سنکر اپنی سلطنت کو برباد دے فقیر بن مانند ابراهیم ادھم کے تباہ ہوا ور بڑی محنت کھینچ کر یہاں تلک آپہنچا ہے - سائیں تیرے کار نے چھوڑا شہر بلخ، اور اس شہر میں بہت دنوں سے حیران پریشان پھرتا ہے - آخر وہ قصد مرنے کا کرکے میرے ساتھہ لگ چلا، میں نے تلوار سے ڈرایا اس نے گودن آگے دھر دی، اور قسم دی کہ اب میں

یہی چاھتا ھوں دیر مت کر - غرض تمہارے عشق میں ثابت ھے - میں نے خوب آزمایا سب طرح پورا پایا - اس سبب سے اس کا مذکور میں درمیان لایا، اگر حضور سے اس کے احوال پر مسافر جان کر توجہ ھو، تو خدا ترسی اور حق شناسی سے دور نہیں -

یہ ذکر ملکہ نے سنکر فرمایا کہاں ھے ؟ اگر شہزادہ ھے تو کیا مضائقہ ؟ روبرو آوے - وہ کوکا وھاں سے اٹھہ کر آیا اور مجھے ساتھہ لیکر گیا - میں ملکہ کے دیکھنے سے نہایت شاد ھوا - لیکن عقل و ھوش برباد ھوئے، عالم سکوت کا ھوگیا، یہ ھواؤ نہ پڑا کہ کچھہ کہو - ایک دم میں ملکہ سدھاری اور کوکا اپنے مکان کو چلا، گھر آکر بولا کہ میں نے تیری سب حقیقت اول سے آخر تک ملکہ کو کہہ سنائی، اور سفارش بھی کی، اب تو رات کو بلا ناغہ جایا کر، اور عیش خوشی منایا کر - میں اس کے قدم پر گر پڑا - اس نے گلے لگالیا - تمام دن گھڑیاں گنتا رھا، کہ کب سانجہ ھو جو میں جاؤں ؟ جب رات ھوئی میں اس جوان سے رخصت ھوکر اور بائیں باغ میں ملکہ کے چبوترے پر تکیہ لگاکر جا بیٹھا - بعد ایک گھڑی کے ملکہ تن تنہا ایک خواص کو ساتھہ لیکر آھستہ آھستہ آکر مسند پر بیٹھیں - خوش طالعی سے یہ دن میسر ھوا، میں نے قدم بوس کیا، انہوں نے میرا سر اٹھالیا اور گلے سے لگایا اور بولیں کہ اس فرصت کو غنیمت جان، اور میرا کہا مان، مجھے یہاں سے لے نکل، کسو اور ملک

کو چل - میں نے کہا چلئیے - یہ کہکر ہم دونوں باغ کے تو ہوے، پر حیرت سے اور خوشی سے ہاتھہ پھول گئے اور راہ بھول گئے اور ایک طرف کو چلے جاتے تھے، پر کچھہ ٹھکانا پاتے تھے - ملکہ برہم ہوکر بولی کہ اب میں تھک گئی، تیرا مکان کہاں ہے ؟ جلد چلکر پہنچ، نہیں تو کیا کیا چاہتا ہے ؟ میرے پاؤں میں پھپھولے پڑ گئے ہیں، رستے میں کہیں بیٹھہ جاؤنگی - میں نے کہا کہ میرے غلام کی حویلی نزدیک ہے اب آپہنچیے خاطر جمع رکھو اور قدم اٹھاؤ - جھوٹ تو بولا پر دل میں حیران تھا کہ کہاں لیجاؤں ؟ عین راہ پر ایک دروازہ مقفل نظر پڑا جلدی سے قفل کو توڑ کر مکان کے بھیتر گئے اچھی حویلی فرش بچھا ہوا شراب کے شیشے بھرے قرینے سے طاق میں دھرے، اور باورچی خانے میں نان کباب تیار تھے - ماندگی کمال ہو رہی تھی، ایک ایک گلابی شراب پرتگالی کی اس گزک کے ساتھہ لی، اور ساری رات باہم خوشی کی - جب اس چین سے صبح ہوئی شہر میں غل مچا کہ شہزادی غائب ہوئی - محلہ محلہ کوچہ کوچہ منادی پھرنے لگی - اور کٹنیاں اور ہرکارے چھوڑے کہ جہاں سے ہاتھہ پیدا کریں، اور سب دروازوں پر شہر کے پادشاہی غلاموں کی چوکی آبیٹھی - گزر بانوں کو حکم ہوا کہ بخیر پروانگی چیونٹی باہر شہر کے نہ نکل سکے، جو کوئی سراغ ملکہ کا لاوے گا ہزار اشرفی اور خلعت انعام پاوے گا - تمام شہر میں کٹنیاں پھرنے اور گھر گھر میں گھسنے لگیں - مجھے جو کم بختی

لگی دروازہ بند نہ کیا ۔ ایک بڑھیا شیطان کی خالا (اس کا خدا کرے منہ کالا) ہاتھہ میں تسبیح لٹکائے برقع اوڑھے دروازہ کھلا پاکر ندھڑک چلی آئی اور سامنے ملکہ کے کھڑی ہوکر ہاتھہ اٹھاکر دعا دینے لگی، کہ آلہی تیری نتھہ چوڑی سہاگ کی سلامت رہے اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے۔ میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں، ایک بیٹی میری ہے کہ وہ دو جی سے پورے دنوں دروازہے میں مرتی ہے، اور مجھہ کو اتنی وسعت نہیں کہ ادھی کا تیل چراغ مین جلاؤں، کھانے پینے کو تو کہاں سے لاؤں ۔ اگر مرگئی تو گور کفن کیونکر کروں گی، اور جنی تو دائی جنائی کو کیا دونگی، اور جچا کو ستھوارا اچھوانی کہاں سے پلاؤنگی ؟ آج دو دن ہوئے ہیں کہ بھوکی پیاسی پڑی ہے، اے صاحبزادی اپنی خیر کچھہ ٹکرا پرچہ دلا تو اس کو پانی پینے کا ادھار ہو ۔

ملکہ نے ترس کھا کر اپنے نزدیک بلاکر چار نان اور کباب اور ایک انگوٹھی چھنگلیا سے اتار کر حوالے کن کہ اس کو بینچ بانچ کر گہنا پاتا بنا دیجیو، اور خاطر جمع سے گزران کیجیو اور کبھو آیا کیجیؤ تیرا گھر ہے ۔ اس نے اپنے دل کا مدعا جس کی تلاش میں آئی تھی بہ جنس پایا ۔ خوشی سے دعائیں دیتی اور بلائیں لیتی دفع ہوئی ۔ ڈیوڑھی میں نان کباب پھینک دئیے، مگر انگھوٹھی کو مٹھی میں لے لیا کہ پتا ملکہ کے ہاتھہ کا میرے ہاتھہ آیا ۔ خدا اس آفت جو بچایا چاھے ۔ اس مکان کا مالک جوان مرد سپاھی تازی

گھوڑے پر چڑھا ہوا نیزہ ہاتھہ میں لئے شکار بند سے ایک
ہرن لٹکائے آپہنچا - اپنی حویلی کا تالا ٹوٹا اور کواڑ کھلے
پائے، اس دلالہ کو نکلتے دیکھا، مارے غصہ کے ایک ہاتھہ
سے اس کے جھونٹے پکڑ کر لٹکالیا اور گھر میں آیا - اس
کے دونوں پاؤں میں رسی باندہ کر ایک درخت کی ٹہنی
میں لٹکایا - سر تلے پاؤں اوپر کٹے ایک دم میں تڑپھہ تڑپھہ
کر مرگئی - اس مرد کی صورت دیکھہ کر یہ ہیبت غالب
ہوئی کہ ہوائیاں منہہ پر لڑنے لگیں اور مارے ڈر کے
کلیجہ کانپنے لگا - اس عزیز نے ہم دونوں کو بدحواس دیکھہ
کر تسلی دی کہ بڑی نادانی تم نے کی، ایسا کام کیا اور
دروازہ کھول دیا - ملکہ نے مسکرا کر فرمایا کہ شاہزادہ
اپنے غلام کی حویلی کہہ کر مجھے لے آیا، اور مجھ کو
پھسلایا - اس نے التماس کیا کہ شہزادے نے بیان واقعی
کہا، جتنی خلق اللہ ہے پادشاہوں کی لونڈی غلام ہیں -
انہیں کی برکت اور فیض سے سب کی پرورش اور نباہ
ہے - یہ غلام بے دام و درم زر خرید تمہارا ہے، لیکن بھید
چھپانا عقل کا مقتضا ہے - اے شہزادے تمہرا اور ملکہ کا
اس غریب خانے میں توجہ فرمانا اور تشریف لانا میری سعادت دونوں
جہاں کی ہے - اور آپنے فدوی کو سرفراز کیا - میں نثار ہونیکو تیار ہوں -
کسوقت صورت میں جان و مال سے دریغ نہ کروں گا - آپ
شوق سے آرام فرمائیے - اب کوڑی بھر خطرہ نہیں - یہ
مردار کٹنی اگر سلامت جاتی تو آفت لاتی، اب جب تلک

مزاج شریف چاہئے بیٹھے رہئے اور جو کچھہ درکار ہوں اس خانہ زاد کو کہئے سب حاضر کریگا، اور پادشاہ تو کیا چیز ہے ! تمہاری خبر فرشتوں کو بھی نہ ہوگی - اس جواں مرد نے ایسی ایسی باتیں تسلی کی کہیں کہ ٹک خاطر جمع ہوئی - تب میں نے کہا شاباش تم بڑے مرد ہو، اس مروت کا عوض ہم سے جب ہوسکے گا تب ظہور میں آویگا - تمہارا نام کیا ہے ؟ اس نے کہا کہ غلام کا اسم بہزاد خاں ہے - غرض چھہ مہینے تک جتنی شرط خدمت کی تھی بہ جان و دل بجالایا - خوب آرام سے گزری -

ایک دن مجھے اپنا ملک اور ماں باپ یاد آئے، اس لئے نہایت متفکر بیٹھا تھا - میرا چہرہ ملین دیکھکر بہزاد خاں روبرو ہاتھہ جوڑ کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا، کہ اس فدوی سے اگر کچھہ تقصیر چرن برداری میں واقع ہوئی ہو تو ارشاد ہو - میں نے کہا از برائے خدا یہ کیا مذکور ہے ! تم نے ایسا سلوک کیا کہ اس شہر میں ایسے آرام سے رہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ میں کوئی رہتا ہے نہیں تو یہ ایسی حرکت ہم سے ہوئی تھی کہ تنکا تنکا ہمارا دشمن تھا، ایسا دوست ہمارا کون تھا کہ ذرا دم لیتے . خدا تمہیں خوش رکھے بڑے مرد ہو تب اس نے کہا اگر یہاں سے دل برداشتہ ہوا ہو، تو جہاں حکم ہو وہاں خیروعافیت سے پہنچادوں - فقیر بولا کہ اگر اپنے وطن تک پہنچوں تو والدین کو دیکھوں، میری تو یہ صورت ہوئی، خدا جانے ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی - میں

جس واسطے جلا وطن ہوا تھا میری تو آرزو بر آئی۔ اب ان کی بھی قدم بوسی واجب ہے، میری خبر ان کو کچھ نہیں کہ موایا جیتا ہے، ان کے دل پر کیا قلق گزرتا ہوگا! وہ جوان مرد بولا کہ بہت مبارک ہے، چاہئے یہ کہہ کے ایک راس گھوڑا ترکی سو کوس چلنے والا اور ایک گھوڑی جلد جس کے پر نہیں کٹے تھے لیکن شائستہ ملکہ کی خاطر لایا، اور ہم دونوں کو سوار کروایا پھر زرہ بکتر پہن سلاح باندہ اوپچی بن اپنے مرکب پر چڑہ بیٹھا اور کہنے لگا، غلام آگے ہو لیتا ہے صاحب خاطر جمع سے گھوڑے دبائے ہوئے چلے آوین۔

جب شہر کے دروازے پر آیا ایک نعرہ مارا اور تبر سے قفل کو توڑا اور نگہبانوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر للکارا کہ، بڑچودو! اپنے خاوند کو جاکر کہو کہ بہزاد خاں ملکۂ مہر نگار اور شہزادۂ کامگار کو جو تمہارا داماد ہے ہانکے پکارے لئے جاتا ہے، اگر مردمی کا کچھہ نشہ ہے تو باہر نکلو اور ملکہ کو چھین لو، یہ نہ کہو کہ چپ چاپ لے گیا، نہیں تو قلعہ مین بیٹھے آرام کیا کرو۔ یہ خبر بادشاہ کو جلد جا پہنچی، وزیر اور میر بخشی کو حکم ہوا ان تینوں بد ذات مفسدوں کو باندہ کر لاؤ، یا ان کے سر کاٹ کر حضور میں پہنچاو، ایک دم کے بعد غٹ فوج کا نمود ہوا، اور زمین و آسمان گرد باد ہو گیا۔ بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اس فقیر کو ایک در میں پل کے بارہ پلے اور جونپور کے پل کے برابر تھا کھڑا کیا

اور آپ گھوڑے کو ٹنگیا کر اس فوج کی طرف پھرا۔ اور شیر کی مانند گونج کر مرکب کو ڈپٹ کر فوج کے درمیان گھسا۔ تمام لشکر کائی سا پھٹ گیا، اور یہ دونوں سرداروں تلک جا پہنچا دونوں کے سر کاٹ لیے۔ جب سردار مارے گئے لشکر تتر بتر ہو گیا، وہ کہاوت ہے، سر سے سرواہ جب بیل پھوٹی رائی رائی ہو گئی، دونہیں آپ پادشاہ کتنی فوج بکتر پوشوں کی ساتھہ لیکر کمک کو آئے، ان کی بھی لڑائی اس یکا جوان نے ماردی شکست فاش کھائی۔ پادشاہ پسپا ہوے، سچ ہے فتح داد الہی ہے، لیکن بہزاد خاں نے دیکھا کہ مطلع صاف ہوا اب کون باقی رہا ہے جو ہمارا پیچھا کریگا، بے وسواس ہوکر اور خاطر جمع کر جہاں ہم کھڑے تھے آیا، اور ملکہ کو ساتھہ لیکر چلا۔

سفر کی عمر کوتاہ ہوتی ہے، تھوڑے عرصے میں اپنے ملک کی سرحد میں جا پہنچے۔ ایک عرضی صحیح سلامت آنے کی بادشاہ کے حضور میں (جو قبلہ گاہ مجھ فقیر کے تھے) لکھکر روانہ کی۔ جہاں پناہ پڑھکر شاد ہوئے، دوگانہ شکریہ ادا کیا، جیسے سوکھے دھان میں پانی پڑا خوش ہو کر سب امیروں کو جلو میں لیکر اس عاجز کے استقبال کی خاطر لب دریا آکر کھڑے ہوئے۔ اور نواڑوں کے واسطے میر بحر کو حکم ہوا۔ میں نے دوسرے کنارے پر سواری پادشاہ کی کھڑی دیکھی، قدم بوسی کی آرزو میں گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا ہیلہ ماکر حضور میں حاضر ہوا، مجھے مارے

اشتیاق کے کلیجے سے لگالیا - اب ایک اور آفت ناگہانی پیش آئی، کہ جس گھوڑے پر میں سوار تھا شاید وہ بچہ اسی مادیان کا تھا جس پر ملکہ سوار تھی، یا جنسیت کے باعث میرے مرکب کو دیکھ کر گھوڑی نے بھی جلدی کر کر اپنے تئیں ملکہ سمیت میرے پیچھے دریا میں گرایا، اور پیرنے لگی، ملکہ نے گھبراکے باگ کھینچی وہ منھ کی نرم تھی الٹ الٹ گئی، ملکہ غوطہ کھاکر بمعہ گھوڑی دریا میں ڈوب گئی کہ پھر اُن دونوں کا نشان نظر نہ آیا - بہزاد خاں نے یہ حالت دیکھ کر اپنے تئیں گھوڑے سمیت ملکہ کی مدد کی خاطر دریا میں پہنچایا، وہ بھی اس بھنور میں آگیا پھر نہ نکل سکا، بہترے ہاتھ پاؤں مارے کچھ بس نہ چلا ڈوب گیا - جہاں پناہ نے یہ واردات دیکھ کر مہا جال منگواکر پھنکوایا اور ملاحوں اور غوطہ خوروں کو فرمایا - انہوں نے سارا دریا چھان مارا تھاہ کی مٹی لے لے آئے پر وے دونوں ہاتھ نہ آئے - یا فقرا یہ حادثہ ایسا ہوا کہ میں سودائی اور جنونی ہو گیا، اور فقیر بن کر یہی کہتا پھرتا تھا -

ان نینوں کا یہی بسیکھ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ - اگر ملکہ کہیں غائب ہوجاتی یا مرجاتی تو دل کو تسلی آتی، پھر تلاش کو نکلتا یا صبر کرتا، لیکن جب نظروں کے روبرو غرق ہوگئی تو کچھہ بس نہ چلا - آخر جی میں یہی لہر آئی کہ دریا میں ڈوب جاؤں، شائد اپنے محبوب کو مر کر پاؤں -

ایک روز رات کو اسی دریا میں بیٹھا، اور ڈوبنے کا

ارادہ کر کے گلے تک پانی گیا - چاھتا ھوں کہ آگے پاؤں رکھوں اور غوطہ کھاؤں، وھی سوار برقعہ پوش جنھوں نے تم کو بشارت دی ھے آپہنچے - میرا ھاتھ پکڑ لیا اور دلاسا دیا کہ خاطر جمع رکھ، ملکہ اور بہزاد خاں جیتے ھیں، تو اپنی ناحق کیوں کھوتا ھے؟ دنیا میں ایسا بھی ھوتا ھے، خدا کی درگاہ سے مایوس مت ھو - اگر جیتا رھے گا تو تیری ملاقات ان دونوں سے ایک نہ ایک روز ھورھیگی - اب تو روم کی طرف جا، اور بھی دو درویش دلریش وھاں گئے ھیں - اُن سے تو جب ملے گا اپنی مراد کو پہنچے گا - فقرا! بموجب حکم اپنے ھادی کے میں بھی خدمت شریف میں آکر حاضر ھوا ھوں، امید قوی ھے کہ ھر ایک اپنے اپنے مطلب کو پہنچے - اس ٹکر گدا کا یہ احوال تھا جو تمام و کمال کہہ سنایا -

---

بندر کی تقریر

(فسانہ عجائب)

صاحبو دنیائے دوں نیرنگی زمانۂ سفلہ پرور بوقلموں عبرت و دید کی جا ہے گرما گرم آیندو روند کا بازار ہے کس و ناکس جنس ناپائدار لہو و لعب کا خریدار ہے اپنے کام میں مصروف قضا ہے جو شے ہے فنا ہے معاملات قضاؤ قدر سے ہر ایک ناچار ہے یہی مسئلہ جبر و اختیار ہے کوئی کسی کی عداوت میں ہے کوئی کسی کا شیدا ہے جسے دیکھا آزاد نہ پایا کسی نہ کسی بکھیڑے میں مبتلا ہے ایک کو اتنا سوجنا نہیں کیا لین دین ہو رہا ہے سود کی امید میں سراسر زیاں ہے سڑی ہونے کا سودا ہے اسکی قدرت ناطقہ دیکھ مجھ سے بنربان ناچیز کو یہ تکلیف گویائی عنایت کیا تم سب کا سامعوں میں چہرہ لکھدیا باتیں سنے کو ساتھ چلے آتے ہو جدائی میری شاق ہے جو ہے مشتاق ہے حال زار پر رحم کھا آنسوں بہاتے ہو یہ رحیمی کی صفت ہے شان تمہاری دیکھو

اسی تقریر کی دھوم سے ایک ظالم شوم سے مجھ مظلوم کا مقابلہ ہوتا ہے یقین کامل ہے وہ قتل کرے گا بیگناہ کے خون سے ہاتھ بھریگا سودا الوجہ فی الدارین ہوگا تب اسے آرام و چین ہوگا یہ گویائی گویا پیام مرگ تھا دنیا جائے آزمائش ہے سفیہ جانتے ہیں یہ مقام قابل آرام و آسائش ہے دو روزہ زیست کی خاطر کیا کیا ساز و سامان پیدا کرتے ہیں فرعون بے ساماں ہوکر زمین پر پاؤں نہیں دھرتے ہیں جب سر کو اٹھا آنکھ بند کر چلتے ہیں خاکساروں کے سر کچلتے ہیں آخر کار حسرت و ارمان فقط لیکر مرتے ہیں جان اس کی جستجو میں کھوتے ہیں جو شے ہاتھ آئے ذلت سے جمع ہو پریشانی و مشقت سے پاس رہے خست سے چھوٹ جائے یاس و حسرت سے پھر سر پر ہاتھ دھر روتے ہین -

ناسخ

دنیا ایک زال بیسوا ہین بے مہر و وفا و بے حیا ہے
مردوں کے لئے یہ زن ہے رہزن دنیا کی عدو ہے دین کی دشمن
رہتی نہیں ایک جا پہ جمکر پھرتی ہے برنگ نرد گھر گھر
انجام شاہ و گدا دو گز کفن اور تختۂ تابوت سے سوا نہیں
کسی نے آدھی یا محمودی کا دیا یا تحریری کربلا کسی کو
گزی گاڑھا میسر ہوا بصد کرب و بلا اُس نے صندل کا تختہ
لگایا اُس نے بیر کے چیلوں میں چھپایا کسی نے بعد دفن
سنگ مرمر کا مقبرہ بنایا کسی نے مر مر کے گور گڑھا پایا

کسی کا مزار مطلا منقش رنگا رنگ ہے کسی کی مانند سینۂ جاہل گور تنگ ہے حسرت دنیا سے کفن چاک ہوا بستر دونوں کا فرش خاک ہوا نہ امیر سمور و قاقم کا فرش بچھا سکا نہ فقیر پھٹی شطرنجی اور ٹوٹا بوریا لاسکا بعد چندے جب گردش چرخ نے گنبد گرایا اینٹ سے اینٹ بجایا تو ایک نے بتایا کہ دونوں میں گور شاہ ہے یہ لحد فقیر ہے اس کو مرگ جوانی نصیب ہوئی یہ استخواں بوسیدۂ پیر ہے سو یہ بھی یہ خوش نصیب ہے نیک کمائی والے گور گڑھا کفن پاتے نہیں تو سیکڑوں چھاتی پر ہاتھ رکھکر مر جاتے ہیں لوگ در گور کہکر چلے آتے ہیں کتے بلی چیل کوے بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتے دامن دشت عریاں کفن گور بے چراغ کا صحرا کا صحن ہوتا ہے یاس و حسرت کے سوا کوئی نہ سرھانے روتا ہے تمنا چھٹ کوئی یاسنتی نہ ہوتا ہے سالہا مقبروں کی عمارات عالی اور ساز و ساماں کی دیکھا بھالی میں سریع السیر رہے ہزاروں رنج گور بے چراغ غریباں کی دید میں بیٹھے بٹھائے سہے طرفہ نقل کہ والی وارث اُن کے سر پر سلطنت مسند حکومت پر شب و روز جلوہ افروز ہے مگر تنبیہ غافلوں کو قدرت حق سے گنبدوں میں آشیانۂ زاغ و زغن میناروں پر مسکن بوم شوم قبروں پر کتے لوٹتے دیکھے -

میر

مزار غریبان تاسف کی جا ہے

وہ سوتے ہین پھرتے جو کل جا بجا تھے

رنگ چمن صرف خزاں دیکھا ڈھلا ہوا حسن گل رخاں دیکھا اگر گل خندان پر جوبن ہے بہار ہے غور کیا تو پہلوے نازنیں میں نشتر سے زیادہ خلش خار ہے سینہ فگار ہے دنیا میں دن رات ذق ذق بق بق ہے کوئی چہچہے کرتا ہے کسی کو قلق ہے نوش کے ساتھ گزند نیش ہے ہر رہرو کو کڑی منزل درپیش ہے۔

مؤلف

بلبل کو خزاں میں جاں کھوتے پایا
صیاد کو سر پٹک کے روتے پایا
گلچیں کی بھی نیند اڑگئی لیک سرور
جو اہل دول تھے ان کو سوتے پایا

مدتوں صدائے مرغ سحر کے رنج اٹھائے کبھی دم نہ مارا شکوہ لب پر نہ لائے برسوں ندائے اللہ اکبر کے صدمے سہے شکر کیا چپ رہے مہینوں گجر کی آواز نے دم بند کیا قلق جی پر لیا نالہ نہ بلند کیا سوچے تو وصل مہرو یا خواب شب تھا لطف اُن کا عین غضب تھا تمام عالم کی خوب سیر کی کبھی حرم محترم میں مسکن رہا گاہ دھونی رمائی کنشت و دیر کی عالم سے آیۂ حدیث وعظ و پند سنا ناقوس برہمن سن سردھنا وہ بد کیش مانع ملت صنم لطف زیست خط نفس کا دشمن تھا یہ کوتہ اندیش رخنہ پرداز اہل ایماں و دین کا رہزن تھا تامل کیا تو ان دونوں سے دور حسد بغض بیر ہونا معلوم اپنے نزدیک انکا انجام بخیر ہونا معلوم و اللہ اعلم

یہ لوگ کیا سمجھے خود اچھے ٹھرے اور کو برا سمجھے مطلب کی بات ھیہات دونوں کی سمجھ میں نہ آئی بایں دانائی ان سے خدا سمجھے ۔

مؤلف

اچھے کو برا برے کو اچھا سمجھے
کتنی یہ بری سمجھ ہے اچھا سمجھے

دنیا فقط رھگزر ھے ھر دم مثال تار نفس در پیش سفر ھے تازیست ہزاروں مفسدے ھیں ڈر ھے مرنیکے بعد باز پرس کا خطر ھے کسی طرح انسان کو مفر نہیں کونسا نفع ھے جس کی تلاش میں ضرر نہیں حاصل کار یہ ھے کہ دنیا میں جینے کی خوشی نہ مرنے کا غم کرے تا مقدور کسی کی خاطر نہ برھم کرے و گر نہ

شعر

نیم شبے آہ زند پیر زال دولت صد سالہ کند پائمال

دل شکستہ کی دلداری پافتادہ کی مددگاری کرے ھواؤ ھوس جو دل سے دور ھوجائے تو مال سے یا کمال سے عجب و نخوت نزدیک نہ آئے عنایت ایزدی پر قانع ہو شکر ہر نعمت سپاس خدمت کرکے منہیات کا مانع ہو رنج کا حامل رھے سبب رنگ میں شامل رھے زمانے کے مکروھات سے گھبرائے نہیں صحبت غیر جنس سے نفرت کرے تو بدنامی پاس آئے نہیں دولت کا اعتبار کیا مفلسی سے ننگ و عار کیا ایک دن مرنا ھے جینا مستعار ھے اس پر کس کا اختیار ھے نیک عمل

کا خیال رکھے کہ قید ہستی زشت کا نام ہے رہائی یہاں سے
انجام ہے -

شعر

کسی کے مرگ پہ ایدل نہ کیجئے چشم تر ہرگز
بہت سا روئیے اُن پر جو اس جینے پر مرتے ہیں

عمر خضر کی تمنا اور حشمت خسروانہ خزانہ قارون کی فکر
میں ہر ایک صبح و مسا ذلیل و خوار ہے تحصیل لا حاصل
کوشش اس امر میں سراسر بیکار ہے بقول

ناسخ

ہاتھ آتی ہے کب علم و ہنر سے دولت
ملتی ہے قضا اور قدر سے دولت
جو علم و ہنر رکھتے ہیں وہ ہیں محروم
مانوس ہے بل احمق و خر سے دولت

روپئے کا جمع ہونا جواہر کی تلاش میں دن کا جاگنا چاندی
سونے کی امید میں رات کا نہ سونا - سیمیں تن لعل لبوں سے
بہم ہونا جنہیں میسر ہر بار ہے انہیں مفارقت دینا ناگوار ہے
اور یہ کلام ہے

مؤلف

یہاں کے جانے سے جی الجھتا ہے
کیا ہی دلکش سرائے فانی ہے

سلف سے اہل کمال دنیا کے مال سے محروم رہے جو
سزاوار حکومت تھے وہ محکوم رہے -

شعر

اسپ تازی شده مجروح بزیر پالان
طوق زرین همه در گردن خر می بینم

لیکن کبھی صبح عشرت ہے گاہ الم کی شام ہے دنیا عجب مقام ہے نہ امیر ہوتے عرصہ نہ فقیر ہوتے کچھہ دیر ہے اس کارگاہ بے ثبات میں عجب اندھیر ہے -

سودا

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں یہ ہاتھہ عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کئی دن کا ذکر ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں کہ زمانے کے ہاتھہ سے
موچی سے کفش پا کو گھٹاتے ہیں وہ ادھار

اور جب وعدہ آپہونچا تو نہ روپیہ کام آتا ہے نہ فوج ظفر موج سے کچھہ ہو نہ متھن جرار بچاتا ہے نہ کوئی آشنا دوست آڑے آئے نہ عزیز و اقربا پنجۂ ملک الموت سے چھڑائے اگر یہی مانع قضاؤ قدر ہوتے جمشید و کاؤس داراو سکندر بصد حسرت و افسوس جان نہ کھوتے نیک عمل کرے تو وہ ساتھہ جاتا ہے احتیاج کسی کی بر لائے یا اللہ کچھہ یہ البتہ کام آتا ہے وگرنہ دنیا معراب زندگی بدتر از حباب ہے پابند اس کا خراب ترک کرنیوالا نایاب ہے !

شعر

ترک دنیا کا سوچ کیا ناسخ کچھہ بڑی ایسی کائنات نہیں

شعر

اس گلشن ہستی میں عجب سیر ہے لیکن
جب آنکھہ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

قطعہ

دنیا خوابیست کش علم تعبیر است
صید اجل است ہر کہ جواں و پیر است
ہم روے زمین پر است و ہم زیر زمیں
این صفحۂ خاک ہر دور و تصویر است

الا مقتضائے عقل یہ ہے کہ عالم اسباب میں کسی اسباب کا پابند نہ ہو تعلق خاطر نہ رکھے، ہمیشہ اس نے بھلے سے برائی کی ہے جو گیا یہاں سے یعنی جہاں گذران سے اس کا شاکی تھا بادشاہ سے فقیر تک جوان سے پیر تک حقیقت میں نفس امارہ سخت ناکارہ ہے اس کو بہر کیف پچھاڑے گرد ہواؤ ہوس سے دامن جھاڑے۔

شعر

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند
آنرا کہ عقل نیش غم روز گار بیش
آدمی کو لازم ہے وہ بات پیدا کرے
تا صفحۂ دنیا پر چندے بر نیکی نام یاد رہے

جشیدی میلہ

طلسم ہوشربا

شہنشاہ افراسیاب بجاہ و حشم میلے میں آیا اور حال آمد خداوند زادی ملکہ لالان خون قبا سنکر کشتیاں زر و جواہر کی بھر نذر لیکر سامنے ملکہ کے گیا ۔ تسلیم کی نذر دی عذر عدیم الفرصتی کیا ۔ ملازموں کو تاکید اکید کی کہ خبردار ملکۂ عالم کو کوئی تکلیف نہ ہو سب حاضر خدمت رہیں جملہ سامان راحت موجود ہے پھر وہاں سے رخصت ہو کر صحرائے باغ جمشید میں گیا یہاں آسنی بچھائے ملکہ حیرت پوجا جمشید کا کر رہی تھی ایک پاؤں سے کھڑی سحر پڑھ رہی تھی اور افراسیاب نے پاندان طلائی منگا کر گلوری اپنے ہاتھ سے لگا کر ملکہ کے منہ میں دی اور حیرت کو ایسا جوش سحر کا تھا کہ تھر تھر مثل برگ بید کے کانپنے لگی اور گلوری کھا کر سر دھلایا کہ افراسیاب نے اشارہ کیا کہ سب ساحر ہمراہی وہاں سے ہٹ گئے حیرت نے ایک اُف کی شعلہ منہ

سے سبز رنگ نکلا باہر آکر سرخ ہو گیا ملکہ نے دونوں ہاتھ منھ پر رکھ لئے ایک چادر آتش کی پیدا ہوئی اور سر سے پا تک ملکہ کے لپٹ گئی۔

افراسیاب نے کہا اے ملکہ مرحبا کیا کہنا تمہیں تو پیاری بندی جمشید کی ہو حیرت بولی کہ اب کنیز رخصت ہوتی ہے جاکر چاہ زمرد کے اندر پوجا کرے گی لیکن باغیوں کو آپ طلب کیجئے سب لوگ آئے مگر وہ ہی نہیں آئے شاہ نے کہا تم پوجا سے فارغ ہو تو بلاؤں اس وقت ملکہ نے دونوں ہاتھ بلند کئے ایک سلاخ آتش کی زمین سے فلک تک استادہ ہوگئی اور اسی طرح لاٹ آگ کی بنی ہوئی غائب ہوگئی افراسیاب نے کہا ابھی مجھے بھی کام ہیں یہ کہ کر یہ بھی غائب ہو گیا مگر اب میلہ قرار واقعی جمع ہو گیا اب حال بارگاہ مہرخ سنئے کہ عمرو رات بھر مشغول اوراد خوانی رہا دعائیں اور آیتیں صحیفۂ ابراہیمی کی پڑھ پڑھ کر ہر ایک ساحر پر دم کرتا رہا جس کی برکت سے ہر شخص رکا رہا اور میلے میں نہ گیا صبح کو نماز پڑھ کر مع عیاروں کے عمرو روانہ ہوا کہ میں بھی جاکر میلہ دیکھ آؤں چلتے وقت مہرخ سے کہتا گیا کہ اے ملکہ ناچ دیکھو خوشی کرو میں آتا ہوں ہر چند اس نے سمجھایا مگر ہر شخص بصورت تصویر چپ اور بیحس ہے کیونکہ صدائے نقارہ سنکر آخر قلب پر وہ تاثیر ہوئی ہے کہ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ میلے جاؤں خلاصہ

عمرو اسی حالت میں انہیں چھوڑ کر روانہ ہوا کچھ دن چڑھے میلے کے قریب حد کے پہنچا جہاں کو راستہ پایا دس دس ہزار بیس بیس ہزار کے غول ساحروں کے آئے ہوئے نظر پڑے دکاندار دکانیں لگائے تھے سروں پر گلنار شفتالوی قرمزی رنگ برنگ کی پگڑیاں باندھے دکانیں تمام آئینہ بند تھیں بازار آراستہ ہورہا تھا خیام اور بارگاہیں کہ جن کے وصف کرنے میں زبان قاصر ہے اور شمہ ذکر اوپر بھی ہوچکا استاد دیکھیں کلس ان کے سنہلے روپہلے نظر کو خیر گی دیتے تھے گویا ہزاروں آفتاب نکلے ہوئے تھے لاکھوں پالیں دکانداروں کی نصب تھیں انبوہ خلائق تھا کہ کوسوں تک تل رکھنے کی جگہ نہ تھی عمرو صورت ساحر کی ایسی بنکر عازم ہوا کہ میں کسی بازار میں جاؤں دو قدم آگے بڑھا تھا کہ ایک بڑھیا ظاہر ہوئی سر کالا منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت سر ہلتا تھراتی ہوئی عصا تھامے قریب عمرو کے آئی اور کہا کیوں موے تو بدذاتی کرنے پھر آیا اور لاٹھی لیکر کانپتی ہوئی چلی عمرو بھاگا لیکن جدھر گیا اور جہاں تک گیا اس بڑھیا کو دیکھا کہ سایہ ساں ساتھ ہے آخر یہ ایک جگہ ٹھہر گیا بڑھیا نے آکر لاٹھی اٹھائی کہ ماروں بھڑوے جو ایک سر کے چار سر ہوجائیں عمرو نے کہا بڑی بی قصور معاف کیجئے بڑھیا نے کہا خبردار جو کہیں بدذاتی کی تمہیں اتنی لاٹھیاں ماروں گی کہ ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں گے یہ کہکر

بڑھیا چلی گئی اسی طرح اور بھی عیار صورتیں بدلے پھر رہے تھے اُنھیں بھی بڑھیا ملی اور ایک ایک کو بڑھیا نے پکڑ کر سمجھایا کہ خبردار کوئی بدمعاشی نہ کرنا ورنہ سزا پاؤ گے جب قران کو بڑھیا ملی اسنے چاہا کہ ایک بغدا بڑھیا کے لگاؤں بڑھیا نے کہا موئے میں سمجھائے دیتی ہوں خبردار کہیں دزدی نہ کرنا ورنہ یہ بغدہ وغیرہ کچھ بھی نہ چلے گا یہ کہکر غائب ہوگئی قرانؔ اور عیار زفیل بجا کر ایک جگہ جمع ہوئے اور سب حال بڑھیا وغیرہ کا بیان کیا برق نے کہا مجھے جو بڑھیا ملی تو اُس نے کہا جا میں نے تیرے استاد کو چھوڑ دیا اسی طرح سب نے حال کہا عمرو نے کہا یہ بڑھیا نہ تھی بلکہ سحر تھا یہ سنکر قران نے کہا استاد جس وقت ہم کو ایک بڑھیا نے پکڑلیا پھر جب افراسیاب ہماری گرفتاری کا قصد کرلیگا تو لمحہ بھر نہ بچ سکیں گے اور میرا گرفتار ہونا میری قضا ہے آقا میرے فرماچکے ہیں کہ جس روز بازو تیرا بند ہے گا اسی دن تو مرے گا بس مجھکو کہیں پوشیدہ کیجئے اور لشکر مہرخ کا بغیر جائے میلے کے نہ رہے گا کیونکہ مہرخ و بہار وغیرہ سب جب سناٹے میں ہیں یہ کسی طرح نہ رکیں گی جب شاہ طلسم نے سحر کیا سب چلی جائیں گی عمرو نے یہ تقریر سنکر کہا بیٹا سچ کہتے ہو اب تم میرے ساتھ رہو آج دن بھر اور رات بھر خوب میلے کی سیر کرو اور کل مقامات ذرا ذرا باغ جمشید اور چاہ زمرد و

باغ عشرت و بار گاہ طلسمی و دیگر بار گا ہیں شاہان طلسم کی سب دیکھ رکھو کل آٹھواں دن میلے کی بھیڑ اور جماؤ کا ہے کل یا تو خدانخواستہ ہم تم گرفتار ہو گئے اور جان گئی اور یا تو اس میلے کو ہم نے لوٹ لیا اور اس طرح لوٹیں گے کہ جتنے میلے میں آئے ہیں سب ننگے ہو کر جائیں اور بہت سے خواب عدم میں سوئیں لاشیں ان کی چیل کوے کھائیں اگر یہ افراسیاب شاہ جادواں ہے تو بندہ بھی نظر کردہ ہفت پیغمبراں ہے اور انشاء اللہ کل میں ہوں اور یہ میلہ ہے اور افراسیاب ہے کہ بیت

کہ این چارہ سازی بدست آوریم
بآن چیرہ دستان شکست آوریم

قران نے سب گفتگو سن کر عرض کی کہ بہر حال انچہ مرضی مولا از ہمہ اولی غلام آپ کے ساتھ ہے یہ کہکر سب عیار مل کر بصورت مبدل چلے عمرو سب کو لئے راہ کترا کر قریب باغ جمشید آیا کہ اُسی کے متصل چاہ زمرد بھی ہے دیکھا باغ نہایت وسیع اور نزہت انتما ہے فرسنگ در فرسنگ گلہائے رنگا رنگ پھولے ہیں جواہر کے درخت ہیں اور جواہر کے پھول ہیں جس چیز کا پھول جواہر کا بنا ہے اسی پھول کا عطر جواہر کے خوشے میں داخل کیا ہے کہ ہوا چلنے سے شمیم گل نقل و اصل میں فرق نہیں باقی ہے خیاباں خیاباں بہار بہار وہاں کی مردہ دلوں کو زندۂ جاوید

بناتی ہے برگ سمن زبان بنکر سوسن سے ہم کلام تھے اور گل سبزے پریوں کھلے تھے کہ لوح زبرجد پر منشی قدرت نے یاقوت احمر سے نقطے دئے تھے گوش شاهد چمن میں پتے بالیاں تھیں خوش رنگ نرالیاں تھیں گل بوٹے طرح به طرح کے ایسے تھے کہ قبائے پر ضیائے گلشن میں پھول زراندود بنے تھے گل اشرفی کے پھولوں کا توڑا نہیں بیشمار سوسن کی اوداهٹ پر لب مسی آلوده گلعذاران دھر نثار باغبان چار چمن گیتی نے میله لگایا جو پھول تھا عطر فروش تھا بہار کا جوش تھا باصباد خریدار تھی بوئے گل هر سمت لے جاتی تھی مشام گلرخان روزگار معطر فرماتی تھی ایسے میلے میں یه باغ پر بہار چھوٹے چھوٹے اور گھنے درخت سایه دار نیچے درختوں کے فرش عمده بچھا تھا نسریں بدن سمن رخوں کا مجمع تھا سحاب چمن هر سمت چھایا تھا زبان حال سے روز گار کہنے کو تھا که نظم

کالی گھٹائیں آئیں ہوا کے اُبھار پر
پریوں کے تخت ٹوٹ پڑے سبزہ زار پر
قبلے سے لے اڑی ہے ہوا ہے اُبھار پر
رندو چلو گھٹائیں گریں سبزہ زار پر
مستی سے باد شوخ نے کیا گد گدا دیا
کالی گھٹائیں لوٹ گئیں سبزہ زار پر

صہبا چمن ہے ابر ہے لبریز جام ہے
جوبن برس رہا ہے عروس بہار پر

عمرو یہاں سے سیر دیکھتا ہوا آگے بڑھا عیار سب ساتھ ہیں آگے بڑھکر صحرا میں نمگیرے کھڑے تھے اور ایسے ویسے ساحر بیٹھے تھے ناچ ہورہا تھا وہ فتنۂ روز گار معشوقۂ طرحدار رقاصۂ انجمن تھی جو عاشق کی جان کی دشمن تھی کمر کولہے کی لچک اور گھٹنا آگے بڑھنا اس طرح کا تھا کہ عاشق اُف کرکے رہ جاتے وہ توڑے لینا اور گھوم کر بیٹھ جانا مارے ڈالتا تھا کہ ابیات

کوئی مشق ستمگری میں تھی
کوئی سر گرم دلبری میں تھی
چل رہی تھی کسی سے کوئی چال
بن چھری ہو رہا تھا کوئی حلال
مثل گل اک نگار خنداں تھی
شکل سنبل کوئی پریشاں تھی
کسی عاشق پہ سرفرازی تھی
کسی بیدل سے جعلسازی تھی

جب یہاں سے بھی آگے بڑھا کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ساز یعنی ستارہ و بین اور سارنگی و چکارا وغیرہ بجاتے ہیں بایاں ساتھ مل رہا ہے ٹھیکے میں ادھا بجتا ہے نئی نئی تانیں اور اوپچیں لیتے ہیں کوئی کدار بجاتا ہے کوئی ملار گاتا ہے

کسی کو بیلوا اور جوگیا پسند ہے تماشائیوں کا ٹھٹ لگا ہے واہ واہ کی صدا بلند ہے بیت

بجاتے تھے اس طرح سے مل کے ساز
نکلتے تھے عشاق کے دل سے راز

جب اور آگے چلا پالیں ساقنوں کی تنی دیکھیں نیچے پال کے چو کا تختوں کا بچھا تھا اُس پر چاندنی کا فرش و قالین آراستہ تھا سقابا اور صندوقچہ دھرا تھا صندوقچے سے لگا ہوا آئینہ جلی رکھا ساقنیں ہزاروں بناؤ کے ساتھ دولائی سفید اُودی گوٹ کی اوڑھے آگے سے طوق سونے کا دکھانے کو گلا کھولے پائنچے پائجامے کے پیچھے تخت پر پڑے ماتھے پر افشان لگائے پٹے چھوڑے بال بنائے لب تخت باہزاراں نازو انداز بیٹھی تھیں کان کا زیور جھوم کر جھونکے لیتا تھا رخ تابندہ بحر حسن تھا اُس میں اُس زیور کا عکس پڑتا یہ ظاہر تھا جیسے کنول دریا میں تیرتے ہیں یا مچھلیاں اور جانوران آبی پیرتے ہیں ہاتھوں میں کڑے پڑے دست حنائی میں پور پور جھالے تھے ایک سمت لگن اور پتیلوں میں نیچے بھیگتے تھے سامنے کچھ حقے تازے کئے رکھے تھے تپائیاں سوراخدار تھیں چلمیں اُس میں گھڑسی تھیں خریداروں کا ہجوم کوئی گنڈہ گنڈہ لڑاتا تھا کوئی دوانی چلم اڑاتا تھا کوئی جوان اشرفی اور روپیہ دینے والا آکر تخت پر ساقن کے قریب بیٹھا آنکھ لڑاتا تھا ساقن بھی مسکراتی تھی یہ کیفیت دونانشہ جماتی تھی ایک طرف سامنے

خریدار دعائیں دیتے تھے کشیر اور سالجہاں مانگتے تھے یار قند پیے والی چلم کے بھر وانے والے اُڑاتے تھے خریداروں میں بحث تھی کہ ایک کہتا تھا سرکرو دوسرا کہتا تھا کیا ہم کو پست پینے والا مقرر کیا ھے اس چلم کو تم سر کرو ابکی دو آنہ کی بھروائیں گے تو ہم سر کریں گے کوئی کہتا تھا اور پھٹک کر بھرا آگ رکھنا کوئ کہتا تھا ہماری چلم پر بکل کی آگ دھرنا دم پڑنے سے لوین بھق بھق اٹھتی تھیں سرور ہوتا تھا شعر پڑھتے تھے دائرہ اور دف تخت پر بیٹھکر بجاتے تھے ڈپہ ٹھمری غزل گاتے تھے عجب سماں کا نیا جلسہ تھا کہ ابیات

نیچے حقے عجب بہار کے تھے
صدقے دل اُنپہ سو ہزار کے تھے
طرفہ ہنگامہ اُن کی دکان پر
جمع تھے سیکڑوں پری پیکر
ایک تو دائرہ بجاتا تھا
ایک چکارے پہ بیٹھا گاتا تھا
ساقنوں کا عجیب نقشہ تھا
قابل دید ٹھاٹھ اُن کا تھا
نام رکھے کوئ چرس کا اگر
دیں وہ اس کو جواب یہ جل کر
کتنے بیلے ہو دم لگاؤ تو
اشرفی کی چلم ھے پی دیکھو

ان سے آگے بڑھکر مدک والوں کی دوکان نظر آئی حلقہ کئے لوگ بیٹھے تھے قلمین سلگتی ہوی ھاتھ میں تھیں مہرو حقے پر جمع تھے گنگا جمنی چھینٹے. سامنے رکھے تھے کہ بمقتضائے ابیات

کچھ مدک والے وانپہ بیٹھے تھے
نوجوانوں کو چھینٹے دیتے تھے
گنگا جمنی بھرے ہوئے چھرے
رکھے تھے ماہر ویوں کے آگے
غیرت مہرو ماہ تھے مہرو
نہیں قلمیں پری کے تھے گیسو
شعلے اُٹھتے تھے ایسے چھینٹوں کے
سنگ سے جس طرح شرر نکلے

انھیں کے مقابل ایک سمت کو بنگ فروش سل بٹے کی دکان ٹھنڈائی پینے کا سامان لئے لوگوں کا مجمع کوئی لیٹا چڑھاتا کوئی چاز لگاتا کوئی کہتا میری ٹھنڈائی میں بادام بھی ڈالنا کوئی لونگ الائچی کی فرمائش کرتا کوئی کہتا یا داتا غفور نشے ہوں بھر پور کوئی کہتا گاڑھی ہو گی تو نگاہ تاڑی ہو گی کوئی پکارتا کہ ع۔ گاڑھی چھنے گی آج کسی سبزہ رنگ سے، کوئی آزاد صدائیں سناتا نشے کی حالت میں ھانک لگاتا نظم

کو صولت اسکندر رادر حشمت دارا اے صاحب فطرت
پڑہ فاعتبرو ایا اولی الا بصار کا آیا تا ہو تجھے عبرت

مستانہ جو میں نے قدح بنگ چڑھایا در عالم وحشت
یوں خضر لگا کہنے ھنیاً و مریا اب دیکھ حلاوت
ہے جی میں فقیروں طرح کھینچ لنگوٹا اور باندہ کے تہمت
چل کنج خرابات میں اور گھونٹ کے سبزہ یوں کیجئے عبادت

یہاں سے جو آگے بڑھا میخواروں کا جلسہ نظر پڑا دکان کلوار کی بسنتی سجی اونچے چبوترے پر گلابیاں شراب ارغوانی اور زعفرانی کی چنی تھیں کچھ لوگ اندر دوکان میں بیٹھے تھے بوتلیں اور کجیاں سامنے رکھی تھیں دور چلتا تھا جس کسی کو زیادہ نشہ تھا وہ دیوار سے لگ کر چپ ہو گیا تھا کچھ اُن میں ھنس رہے تھے آپس میں مذاق کرتے تھے مگر یہ لوگ مہذب تھے اپنی خودی سے باھر نہ ہوئے تھے کوئی شعر پڑھتا تھا کوئی کچھہ گاتا تھا اور دکان کے سامنے جو میخوار کہ جمع تھے وہ تو بنکار رہے تھے کوئی کہتا تھا میاں چوکھی دینا کوئی تھر تھر کانپ رہا تھا کوئی کیچڑ میں لوٹتا تھا کوئی بیہوش پڑا تھا منھ سے رال بہ رہی تھی کسی کو ڈولی میں ڈالکر لوگ لے گئے کوئی نشے میں تمام عمر کی اپنی کیفیت بیان کر رہا تھا باھم جوتی پیزار لڑتے تھے بعضے جو پڑھے ہوئے تھے وہ ساقی سے یہ کہہ رہے تھے کہ ابیات

شہرت تیری چار سو ہو ساقی
دنیا ہو اور تو ہو ساقی

دے جام کہ بادہ خوار ہیں ہم
کب سے امید وار ہیں ہم
بال بطے پر ہما ہے
جام آئینۂ جہاں نما ہے
جس وقت لب آشنا ہوئی مل
آنکھیں ساغر صفت گئیں کھل
اُڑنے لگے آسماں کی سوجھی
رندوں کو کہاں کہاں کی سوجھی

میخانے کی سیر دیکھ کر آگے چلے دیکھا کچھ بانکے بگڑ گئے ہیں تلوار باہم کھینچی ہے شور بلند ہے لوگ بھاگتے پھرتے ہیں کہ یکایک دھو تو تر ھی پھنکی اور کوتوال دوڑ لیکر دوڑا کچھ بھاگ کھڑے ہوئے کچھ کو پکڑ لیا ایک طرف چور گرہ کاٹ گرفتار ہوئے ہیں کوئی کسی کی جیب کاٹتا تھا کوئی کسی کا رومال شانے پر کھینچ کر بھاگا تھا اس ہنگامے سے جب آگے بڑھے حلوائیوں اور نان بائیوں کی دکانیں بصد صفائی اور زیبائی نظر آئیں کہ حلوائی کی دکان پر تھال برنجی برابر چنے تھے آگے دکان کے زنجیر برنجی لٹکتی تھی گھنٹی اُس میں بندھی تھی اندر دوکان کے نوکروں نے گولے پر کڑھاؤ چڑھائے تھے مٹھائی بناتے تھے الماریاں مٹھائی سے بھری رکھی تھیں تھالوں میں مٹھائی کو جالدار اور محراب دار چنا تھا کہ پھول اور گلدستے بنے معلوم ہوتے تھے مٹھائی پر ورق طلائی اور نقرائی لگے تھے عجب جوبن دیتے

تھے کہ نظم

ایسے خوشرنگ تھال رکھے تھے

طشت مہر فلک سے اچھے تھے

حلوا سوہن میں ایسی لذت تھی

ٹوٹے دیکھے سے وہ لطافت تھی

حبشی کا جواب جوزی تھا

جسکو کھایا مزا جدا پایا

کب ترازو کا وصف پورا ہو

رشک خورشید جس کا پلہ ہو

نان بائی بصد خوش ادائی ظروف مسی صاف و شفاف میں طعام لذیذ چنے ہوئے تھے پلاؤ زردہ قورما مرغ کا شوربا شیرمال و کباب و باقر خانی آبی نان ہوائی کلچے وغیرہ ہر قسم کا کھانا مہیا رکھتے تھے تنور گرم تھا پتیلا چڑھا تھا ایک طرف ماہی توے میں کباب گرماگرم تھے کچھ لوگ دکان میں کھانا کھاتے تھے کچھ خریدار پیالے لئے کھڑے تھے ۔

خطوط غالب

بنام علاءالدین احمد خاں علائی

جان غالب!

یاد آتا ہے کہ تمہارے غم نامدار سے سنا تھا کہ لغات ''دساتیر'' کی فرہنگ وہاں ہے۔ اگر ہوتی تو کیوں نہ بھیج دیتے۔ خیر،

آنچہ مادر کار داریم اکثرے درکار نیست

تم ثمر نورس ہو اس نہال کے کہ جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشوونما پائی ہے اور میں ہوا خواہ و سایہ نشین اس نہال کا رہا ہوں۔ کیونکر تم مجھکو عزیز نہ ہوگے؟ رہی دید وا دید، اس کی دو صورتیں ہیں: تم دلی میں آؤ یا میں لوہارو آؤں۔ تم مجبور، میں معذور۔ خود کہتا ہوں کہ میرا عذر زنہار مسموع نہ ہو۔ جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ماجرا کیا ہے۔ سنو، عالم دو ہیں، ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک

ہے جو خود فرماتا ہے: لمن الملک الیوم؟ اور پھر آپ جواب دیتا ہے للہ الواحد القہار۔ ہر چند قاعدۂ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں۔ لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہ گار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ تیرہ برس حوالات میں رہا۔ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا۔

فکر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا برسوں کے بعد میں جیل خانہ سے بھاگا۔ تین برس بلادشرقیہ پھرتا رہا۔ پایان کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے۔ پھر اسی مجلس میں بیٹھا دیا جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے، دو ہتکڑیاں اور بڑھادیں۔ پانو بیڑی سے فگار، ہاتھ ہتکڑیوں سے زخم دار۔ مشقت مقرری اور مشکل ہوگئی، طاقت یک قلم زائل ہوگئی۔ بے حیا ہوں۔ سال گذشتہ بیڑی کو زاویہ زندان میں چھوڑ مع دونوں ہتکریوں کے بھاگا۔ میرٹھ مرادآباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں گا کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکم رہائی دیکھئے کب صادر ہو ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اس ماہ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور

کہیں نہیں جاتا۔ میں بھی بعد نجات سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا:

فرخ آں روز کہ از خانۂ زنداں بروم
سوئے شہر خود ازیں واری ویراں بروم

گانے میں غزل کے سات شعر کافی ہوتے ہیں۔ دو فارسی غزلیں، دو اردو غزلیں اپنے حافظہ کی تحویل میں بھیجتا ہوں، بھائی صاحب کی نذر:

بنام علاءالدین احمد خاں علائی

میری جان!

نئے مہمان کا قدم تم پر مبارک ہو۔ اللہ تعالی تمہاری اور اس کی اور اس کے بھائیوں کی عمر و دولت میں برکت دے تمہاری طرز تحریر سے صاف نہیں معلوم ہوتا کہ سعید ہے یا سعیدہ ہے۔ ثاقب اس کو عزیز اور غالب عزیزہ جانتا ہے واضح لکھو تاکہ احتمال رفع ہو۔ خط ثاقب کے نام کا۔ توبہ توبہ خط کا ہے کو ایک تختہ کاغذ کا، میں نے سراسر پڑھا۔ لطیفہ و بذلہ و شوخی و شوخ چشمی کا بیان جب کرتا کہ فحوائے عبارت سے خون جگر نہ ہو جاتا۔ بھائی کا غم جدا، ایسا سخن گزرا، ایسا زبان آور، ایسا غیار طرار! یوں عاجز و در ماندہ و از کار رفتہ ہوجائے! تمہارا غم جدا، ساغر اول و درد۔ کیا دل لے کر آئے۔ کیا زبان لے کر آئے۔ کیا علم لے کر آئے۔ کیا عقل لے کر آئے! اور پھر کسی روش کو برت نہ سکے۔ کسی شیوہ کی داد نہ پائی۔

گویا نظیری تمہاری زبان سے کہتا ہے۔

جوہر بینش من در تہ زنگار بماند
آنکہ آئینۂ من ساخت نہ پرداخت دریغ

بھائی اس معرض میں، میں بھی تیرا ہم طالع اور ہمدرد ہوں۔ اگرچہ یک فنہ ہوں، مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم، مین نے اپنی نظم و نثر کی داد باندازۂ بالبست پائی نہین۔ آپ ہی کہا، آپ ہی سمجھا، قلندری و آزادگی و ایثار و کرم کے جو دواعی میرے خالق نے مجھ میں بھر دیئے ہیں، بقدر ہزار یک، ظہور میں نہ آئے۔ نہ وہ طاقت جسمانی کہ ایک لاٹھی ہاتھ میں لوں اور اس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا لوٹا مع سوت کی رسی کے لٹکالوں اور پیادہ چل دوں۔ کبھی شیراز جا نکلا، کبھی مصر میں جا ٹھرا، کبھی نجف میں جا پہنچا۔ نہ وہ دستگاہ کہ عالم کا میزبان بن جاؤں اگر تمام عالم میں نہ ہوسکے تو نہ سہی، جس شہر میں رہوں اس شہر میں بھونکا ننگا نظر نہ آئے۔

نہ بستان سرائے نہ میخانۂ	نہ دستان سرائے، نہ جانانۂ
نہ غوغائے رامشگران در رباط	نہ رقص پری پیکران بر بساط

خدا کا مقہور، خلق کا مردود، بوڑھا، ناتوان، بیمار، فقیر، نکبت میں گرفتار، تمہارے حال میں غور کی اور چاہا کہ اس کا نظیر بہم پہنچاؤں۔ واقعہ کر بلا سے نسبت نہیں دے سکتا، لیکن واللہ تمہارا حال اس ریگستان میں بعینہ ایسا ہے جیسا مسلم بن عقیل کا حال کوفہ میں تھا۔ تمہاری اوو تمہارے

بچوں کی جان و آبرو کا نگہبان - میرے اور معاملات کلام و کمال سے قطع نظر کرو، وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے - اور خود دربدر بھیک مانگے، وہ میں ہوں -

صبح دو شنبہ شانزدہم از مہ صیام سنہ ۱۲۸۱ع

یعنی ۱۳ فروری سنہ ۱۸۶۵ع

بنام میر مہدی مجروح

سید صاحب!

نہ تم مجرم، نہ میں گنہ گار۔ تم مجبور، میں ناچار - لو اب کہانی سنو، میری سرگزشت میری زبانی سنو - نواب مصطفے خاں بہ میعاد سات برس کے قید ہوگئے تھے، سو ان کی تقصیر معاف ہوئی اور اُن کو رہائی ملی - صرف رہائی کا حکم آیا ہے - جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنشن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا - ناچار وہ رہا ہوکر میرٹھ ہی ہیں - ایک دوست کے مکان میں ٹھرے ہیں - میں بہ مجرد استماع اس خبر کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا - ان کو دیکھا - چار دن وہاں رہا - پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا - تاریخ آنے جانے کی یاد نہیں، مگر ہفتہ کو گیا، منگل کو آیا - آج بدھ دوم فروری ہے - مجھ کو آئے ہوئے نواں دن ہے - انتظار میں تھا تمہارا خط آئے تو اس کا جواب لکھا جائے - آج صبح کو تمہارا خط آیا - دو پہر کو جواب لکھتا ہوں -

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے

میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے لاہوری دروازے کا تھانیدار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھا ہے - جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے، اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے - حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپئے جرمانہ لیا جاتا ہے - آٹھ دن قید رہتا ہے - اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو، کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے - تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے - یہاں کا جمعدار میرے پاس بھی آیا - میں نے کہا بھائی، تو مجھے نقشے میں نہ رکھ - میری کیفیت کی عبارت الگ لکھ - عبارت یہ کہ اسد اللہ خاں پنشن دار سنہ ۱۸۵۰ع سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے - نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا، نہ گوروں کے زمانے میں نکلا اور نکالا گیا - کرنل برون صاحب بہادر کے زبانی حکم پر اس کی اقامت کامدار ہے - اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا - اب حاکم وقت کو اختیار ہے - پرسوں یہ عبارت جمعدار نے محلے کے نقشے کے ساتھ کوتوالی بھیج دی - کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان و دکان کیوں بناتے ہیں؟ جو مکان بن چکے ہیں انہیں ڈھادو اور آیندہ کی ممانعت کا حکم سنادو اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں - جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے،

بقدر مقدور نذرانہ دے اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے - روپیہ دے اور ٹکٹ لے - گھر برباد ہوجائے ، آپ شہر میں آباد ہوجائے - آج تک یہ صورت ہے، دیکھئے شہر کے بسنے کی کوئی مہورت ہے ؟ جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے یا جو باہر پڑے ہوے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں ؟ الملک للہ و الحکم للہ -

نور چشم میر سرفراز حسین اور برخوردار میر نصیرالدین کو دعا اور جناب میرن صاحب کو سلام بھی اور دعا بھی - اس میں سے جو وہ چاہیں قبول کریں -

بدھ ۲ فروری سنہ ۱۸۵۹ع

بنام میر مہدی مجروح

جان غالب !

تمہارا خط پہنچا - غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے،

"ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے" مصرع بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہوگیا -

اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی :

میاں یہ اہل دلی کی زبان ہے

ارے اب اہل دلی ہندو ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں - ان میں سے تو کس زبان کی تعریف کرتا ہے ؟ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا - ریاست تو جاتی رہی، باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں - خس کی ٹٹی - پروا ہوا اب کہاں ؟ وہ لطف تو اسی مکان میں تھا -

اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ چھت اور اور سمت بدلی ہوئی ہے - بہ ہر حال می گزرد - مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہوگیا - لال ڈگی کے کنوئیں یک قلم کھاری ہوگئے - خیر کھاری ہی پانی پیتے، گرم پانی نکلتا ہے - پرسوں میں سوار ہوکر کنوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا - جامع مسجد ہوتا ہوا راج گھاٹ کے دروازے کو چلا - مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک، بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے - اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں، وہ اگر اٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہوجائے - یاد کرو، مرزا گوہر کے باغیچے کے اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا، وہ اب باغیچے کے صحن کے برابر ہوگیا - یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہوگیا - فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں، باقی سب لٹ گیا - کشمیری دروازہ کا حال تم دیکھ گئے ہو - اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازے سے کابلی دروازے تک میدان ہوگیا - پنجابی کٹرا، دھوبی واڑہ، رامجی گنج، سعادت خاں کا کٹرا، جرنیل کی بی بی کی حویلی، رامجی داس گودام والے کے مکانات، صاحب رام کا باغ، حویلی ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا - قصہ مختصر شہر صحرا ہوگیا تھا - اب جو کنوئیں جاتے رہے اور پانی گوہر نایاب ہوگیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائے گا - اللہ اللہ - دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں، واہ رے اعتقاد - ارے بندۂ خدا، اردو بازار نہ رہا، اردو کہاں؟ دلی واللہ اب شہر نہیں ہے،

کمپ ہے، چھاؤنی ہے نہ قلعہ، نہ شہر، نہ بازار نہ نہر۔

الور کا حال کچھ اور ہے، مجھے اور انقلاب سے کیا کام؟ الگزنڈر ہدرلے کا کوئی خط نہیں آیا۔ ظاہرا ان کی مصاحبت نہیں۔ ورنہ مجھ کو ضرور خط لکھتا رہتا۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو اور نصیر الدین کو دعا۔

سنہ ۱۸۶۰ع غالب

بنام عبدالرزاق شاکر

قبلہ!

پہلے معنی ابیات کے سنیئے!

"نقش فریادی الخ"

ایران میں رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہن کر حاکم کے سامنے جاتا ہے جیسے مشعل دن کو جلانا یا خون آلودہ کپڑا بانس پر لٹکا کر لے جانا۔ بس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخی تحریر کا فریادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے، اس کا پیرہن کاغذی ہے، یعنی ہستی اگرچہ مثل تصاویر اعتبار محض ہو، موجب رنج و ملال و آزار ہے۔

"شوق ہر رنگ الخ"

"رقیب" بمعنے "مخالف" یعنی شوق سروسامان کا دشمن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قیس جو زندگی میں ننگا تھا، تصویر کے پردے مین بھی ننگا ہی رہا۔ لطف یہ ہے کہ مجنون کی تصویر با تن عریاں ہی کھنچتی ہے جہاں کھنچتی ہے۔

''زخم نے داد الخ،،

یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نئی نکالی ہے، جیسا کہ اس شعر میں:

نہیں ذریعۂ راحت جراحت پیکاں

وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیئے

یعنی زخم تیر کی توہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب ایک طاق سا کھل جانے کے ''زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی'' یعنی زائل نہ کیا تنگی کو، ''پر افشاں'' بمعنی بے تاب اور یہ لفظ تیر کے مناسب حال ہے۔

معنی یہ کہ تیر تنگی دل کی داد کیا دیتا؟ وہ تو خود ضیق مقام سے گھبرا کر پر افشاں اور سراسیمہ نکل گیا۔

نامہ غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا سن لیتا ہے۔ عبارت لکھ نہیں سکتا، لکھوا دیتا ہے۔ بلکہ اس کے ہم وطن ایسا کہتے ہیں کہ وہ قوت علمی بھی نہیں رکھتا اوروں سے مدد لیتا ہے۔ اہل دلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اس کو تلمذ نہیں ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وائے اس ہیچ و پوچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجب عزو وقار ہو۔ رسالہ اس کا ''ساطع برہان،، دلی پہنچکر ڈھونڈھوں گا اگر مل گیا تو خدمت میں پہنچے گا۔

جناب مستطاب میر قاسم علی خاں صاحب صادق القول ہیں میرے گھر آئے ہوں گے۔ دروازہ بند پایا ہوگا۔ مگر ایک خدشہ ہے کہ حضرت میں اور میرے بھائی میرزا علی بخش خاں میں بہت ربط و اتحاد تھا اور وہ مرحوم، خدایش بیامرزاد، کذب و گزاف میں ضرب المثل تھا۔ اس تصور سے اگر میں اس جملے کے سچ جاننے میں تامل کروں تو تامل بے جا نہ ہوگا۔ بہر حال ان کو میرا سلام کہئے گا۔

"سیلاب چی" ایک لفظ ہے ہند یا فارسی دان کا اصل لغت "چلمچی" ہے اور یہ لغت ترکی ہے۔ معہذا "حباب آسمان" جب تک کہ آسمان کو بحر یا دریا نہ کہیں، "حباب آسماں"، نہ مقبول نہ مسموع۔

"دنائت" مسموع ہے اگر فتح الف کا اشباع جائز ہو، ورنہ "دنائت پروری" کی جگہ "ادنی پروری" بہتر ہے۔ بلکہ "دنائت" بہر حال صفت ہے "پرورش" موصوف کی چاہیئے نہ صفت کی۔ والسلام

(اواخر ١٨٦٥ع)

مقاصد تہذیب الاخلاق

ھمارے اس پرچہ کی عمر سوا برس کی ھوئی اور تریسٹھہ مضمون اس میں چھپے اب ھم کو سوچنا چاھیئے کہ ھم کو اس سے قومی تہذیب اور قومی ترقی حاصل ھونے کی کیا توقع ھے - انسان ایک ایسی ھستی ھے کہ آیندہ کی خبر اس کو نہیں ھوسکتی مگر گذشتہ زمانہ کے تجربہ سے آیندہ زمانہ کی امید کو خیال کرسکتا ھے - پس ھم کو اس پرچہ کی بابت آیندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنے کے لئے پچھلے حالات اور واقعات پر نظر کرنی چاھیئے -

جب ھم کچھہ اوپر پچھلے ڈیڑہ سو برس کی دنیا پر نظر ڈالتے ھیں تو ھم پاتے ھیں کہ لنڈن میں بھی وہ زمانہ ایسا ھی تھا جیسا کہ اب ھندوستان میں ھے اور وھاں بھی اس زمانہ اسی قسم کے پرچے جاری ھوے تھے جن کے سبب تمام چیزوں میں تہذیب و شائستگی پیدا ھوئی تھی - پس اول ھم ان پرچوں کا کچھہ حال بیان کرتے ھیں اور پھر اس پرچہ

تہذیب الاخلاق کو ان سے مقابلہ کرینگے اور پھر آئندہ کی حالت ہندوستان کا اس پر قیاس کر کر اپنی قومی ترقی کی نسبت پیشنگوئی کریں گے - جب کہ یورپ میں باھمی ملکی لڑائیوں کا زمانہ تھا تو بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اخبار کا چھپنا اور پھیلنا شروع ہوگیا تھا اور خاص لنڈن میں بھی اخبار چھپنے لگا تھا- مگر اپنی قوم کی روز مرہ کی زندگی اور ان کے مزاج اور عادت اور خصلت پر نکتہ چینی کرنے اور اس میں سے برائیوں کے نکالنے اور عمدہ اور نیک خصلتوں کو ترقی دینے کا کسی کو کسی ملک میں خیال نہ تھا ہاں البتہ فرنچ لوگوں نے اس پر کچھہ خیال کیا تھا اور سولہویں صدی میں مانٹین صاحب نے جو ایک مشہور فرنچ عالم تھے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں چودھویں لوئی بادشاہ فرانس کے دربار کی بناوٹوں کو نہایت سلیقہ کی طعنہ زنی سے بیان کیا تھا لیکن کسی شخص کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ کوئی ایسا پرچہ یا رسالہ نکلے جو جلد جلد ایک مناسب میعاد پر چھپا کرے اور قومی برائیوں کو جتایا کرے اور لوگوں کو قومی بھلائی کی ترقی پر رغبت دلاتا رہے مگر خدا نے یہ کام لنڈن کے پیغمبرون اور سویلزیشن کے دیوتاؤں سورچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن کی قسمت میں لکھا تھا -

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے ١٧٠٩ع میں ایک پرچہ نکالا جس کا نام ٹیٹلر تھا اس کے اصلی ایڈیٹر تو اسٹیل صاحب تھے مگر اڈیسن صاحب بھی کبھی کبھی مدد دیتے تھے - یہ پرچہ

ہفتہ میں تین دفعہ چھپتا تھا۔ پہلا پرچہ اس کا بارھویں اپریل ۱۷۰۹ع کو نکلا تھا۔

رچرڈاسٹیل صاحب نے خود کہا ہے کہ ان کی غرض اس پرچہ کے نکالنے سے یہ تھی کہ انسان کی زندگی جو جھوٹی بناوٹوں سے عیب دار ہوتی ہے اسے بے عیب کریں اور مکاری اور جھوٹی شیخی کو مٹادیں اور بناوٹی پوشاک کو اتاریں اور اپنی قوم کی پوشاک اور گفتگو اور برتاؤ میں عام سادہ پن پیدا کریں۔

اس پرچہ کے صرف دو سو اکہتر (۲۷۱) نمبر چھپے چنانچہ آخیر پرچہ اس کا دوسری جنوری ۱۷۱۱ع کو چھپا اور پھر بند ہوگیا۔

اس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن صاحب نے مل کر ایک اور پرچہ نکالا اور اس کا نام ,,اسپکٹیٹر،، رکھا تھا۔ یہ پرچہ ہر روز چھپا تھا اور وہی دونوں صاحب آخیر تک اس میں مضمون لکھا کرتے تھے۔ پہلا پرچہ اس کا یکم مارچ ۱۷۱۱ع کو چھپا تھا اور صرف تین سو پینتیس نمبر اس کے چھپے تھے۔ یہ پرچہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا اور صرف ٹیٹلر ھی کو اس نے نہیں بھلا دیا تھا بلکہ اس زمانہ میں جس قدر کتابیں اس قسم کی تصنیف ہوئی تھیں ان سب پر فضیلت رکھتا تھا۔ عمدہ عمدہ اخلاق و آداب اس میں لکھے جاتے تھے۔ خویش اقارب کے ساتھہ سلوک کرنے کے عمدہ قاعدے اس میں بیان ہوتے تھے۔ اس بات کا کہ

انسان اپنی اِس قوت کو جس کا نام شوق ہے کس طرح دیکھ بھال اور سوچ بچار کر کس بات میں صرف کرے نہایت عمدگی سے ذکر ہوتا تھا اور ہر ایک مضمون نہایت خوبی اور بردباری اور عجیب و غریب مذاق سے بھرا ہوتا تھا۔

یہ پرچہ اس لئے بھی بے انتہا تعریف کا مستحق ہے کہ اس نے طرز تحریر لوگوں کو سکھادی اور لوگوں کی گفتگو کو جو برے کلمات اور بد محاورات اور ناپاک قسم سے خراب ہورہی تھی درست کر دیا۔

ہر روز صبح کو یہ پرچہ نکلا کرتا تھا اور حاضری کھانے کے وقت لوگوں کے پاس آ جاتا تھا۔ اور حاضری ہی کی میز پر لوگ اس کو پڑھا کرتے تھے۔ سنہ ۱۷۱۳ع میں اس کا چھپنا موقوف ہوگیا۔ اس کے بعد سررچرڈاسٹیل نے مسٹر اڈیسن کی مدد سے ایک اور پرچہ نکالا جس کا نام گارڈین تھا۔ یہ پرچہ بھی ہر روز چھپتا تھا اور صرف ایک سو پچھتر نمبر اس کے نکلے تھے کہ بند ہوگیا۔ اس کے بعد اٹھارھویں صدی میں بہت سے پرچے اسی مقصد کے نکلے تھے مگر ان میں سے راصلو اورادو مخرزاد رایدلر اور ورلد اور مور اور لونجر نے کچھ شہرت پائی اور ان کے سوا اور کسی کو فروغ نہ ہوا ان پرچوں کے جاری ہونے سے انگریزوں کے اخلاق اور عادات اور دینداری کو نہایت فائدہ پہنچا اور ہر ایک کے دل پر ان کا اثر ہوا جس زمانہ میں کہ پہلے پہل ٹیٹلر نکلا ہے انگلستان کے لوگوں کی جہالت

اور بد اخلاقی اور ناشائستگی نفرت کے قابل تھی وضعدار لوگ کیا مرد کیا عورت تحصیل علم سے نفرت رکھتے تھے اور علم پڑھنے خود فروشی و باد فروشی کہتے تھے اور کمینوں کا کام سمجھتے تھے - علم جو اب عام لوگوں میں پھیلا ہوا ھے شازو نادر کہیں کہیں پایا جاتا تھا علم کا دعوے تو در کنار جہالت کی شرم بھی کسی کو نہ تھی - عورت کا پڑھا لکھا ہونا اسکی بدنامی کا باعث ہوتا تھا - اشرافوں کے جلسے میں امورات سلطنت کی باتیں ہوتی تھیں اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی بدگوئی کیا کرتی تھیں - قسموں پر قسمیں کھانا اور خلاف تہذیب کے باتیں کرنا گویا ایک بڑی وضعداری گنی جاتی تھی - قمار بازی اور شراب خواری اور خانہ جنگی کی کچھ حد نہ تھی - چارلس دوم کے عہد میں جو خرابیاں تھیں وہ شریف اور اعلی درجہ کے لوگوں کی گویا عادت ہوگئی تھی- بیلوں اور ریچھوں کو کتوں سے بھڑوایا- لوگوں کو انعام دیکر لڑوانا اور خود ایسے تماشوں کو دیکھ کر خوش ہونا گویا ھر ایک امیر کے شوق کی بات تھی - ان تمام خرابیوں کی درستی میں اسٹیل اور اڈیسن نہایت ھی سرگرم تھے اور جس سرگرمی سے وہ اس میں مصروف ہوئے ویسی ھی کامیابی بھی اُس میں ان کو ہوئی -

اسکٹیٹر میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ ”میں اخلاق میں خوش طبعی کی جان ڈالونگا اور خوش طبعی کو اخلاق سے ملاؤنگا تاکہ جہاں تک ممکن ہو اس کے پڑھنے والے دونوں

باتوں میں نصیحت پاویں اور تاوقتیکه لوگ ان تمام خرابیوں سے جن میں اس زمانه کے لوگ پڑے هیں سنبھل نه جاوین هر روز ان کو نصیحت کی باتیں یاد دلاتا رهوں گا کیونکه جو دل ایک دن بھی بیکار پڑا رهتا هے اس میں بے شمار عیب جڑ پکڑ جاتے هیں جس کے ریشے بہت هی مشکل سے دور هوتے هیں - سقراط کی نسبت ایسا کہا گیا هے که اس نے فلسفه کو آسماں سے اتارا اور انسانوں میں بسایا مگر میں اپنی نسبت صرف اتنا هی کہلانا چاهتا هوں که میں نے فلسفه کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتب خانوں کی کوٹھریوں سے نکلا اور جلسوں اور چاه و قہوه پینے کی مجلسوں تک میں پھیلایا اور هر ایک دل میں بسایا،، - اسٹیل اور اڈیسن کی ایسی عمده تحریریں هوتی تھیں که ان کا اثر صرف مجلسوں کی تہذیب و زبان و گفتگو کی شائستگی هی پر نہیں هوتا تھا بلکه اس زمانه کے مصنفوں پر بھی اس کا نہایت عمده اثر هوا تھا -

ڈاکٹر دریک صاحب کا قول هے که عام لوگوں کو علم ادب کا شوق اسی وقت سے هوا جب سے که ٹیٹلر چھپنا شروع هوا اور اسپکٹیٹر اور گارڈین نے اس شوق کو اور زیاده بھڑ کا دیا - ان پرچوں کی تاثیر صرف لمحه دو لمحه کے لئے نه تھی بلکه انگلستان میں هر فرقه کے لوگوں میں نہایت مضبوطی سے پھیل گئی تھی - ان پرچوں سے علم کو فائده هوا وه همیشه یاد رهیگا - ان پرچوں اول اول نہایت خوش اسلوبی سے گذشته و حال کے زمانه کے عمده اور لائق

مصنفوں کو بتلایا اور اُن کی خوبیوں کی قدر کرنے کا شوق دلایا۔ مشہور ہے کہ ملٹن صاحب کی پاریدیزات لاست کا جو نہایت عمدہ اور بے نظیر کتاب ہے انہی پرچون کی بدولت فروغ ہوا - ان پرچون کے مذاق تحریر اور خیالات کے رنگ ڈھنگ نے بری تحریروں کے اسباب کو بتا دیا اور جھوٹی عبارت آرائی اور لغو انشا پردازی کو جو کسبیوں کے بناؤ سنگار کے مانند تھی اور رنڈیوں کے سے طعنے سے یا لونڈوں کی سی گالم گلوچ کو تحریروں میں سے بالکل دور کردیا اچھی و بری تحریروں میں تمیز کرنا اور سنجیدہ اور متین نکتہ چینی اور تحقیقات کا شوق پیدا کیا - ذہانت اور متانت دونوں کو ترقی دی اور تحریر میں مناسبت اور تہذیب کا خیال لوگوں کے دل مین بیٹھا دیا۔ ان باتوں سے ان پرچون کے پڑھنے والے لئیق اور عالم مصنفوں کی تصنیفوں سے خط اٹھانے لگے اور تمیز کے ساتھ ان کی قدر کرنے لگے -

اڈیسن صاحب کی تحریروں سے بالتخصیص طرز عبادت به نسبت سابق کے بہت زیادہ صاف و شستہ و سلیس نہایت دلچسب ہوگئی اور درحقیقت اڈلیسن صاحب کی تحریر سے انگریزی زبان کے علم انشاء میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوگیا۔ باوجودیکہ زمانہ حال میں تحریروں کے عیب و ہنر کو لوگ خوب جانچتے ہیں اس پر بھی اڈلیسن صاحب کی تحریر پر بجز تعریف کے اوز کچھہ نہیں کہہ سکتے علاوہ ان باتون کے اسپکٹیٹر کے پرچون میں انسان کے خیالات کے مخرج اور

اُن خیالات سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں ان کی تفریق نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے بتلائی گئی اور اس سے نتیجہ یہ ہوا کہ شاعروں کے خیالات اور ان کے اشعاروں کی خیال بندی نہایت عمدہ اور درست ہوگئی - لغو اور بے سروپا مضمون اشعار میں سے خارج ہوگئے اور انکی جگہ پر تاثیر مضمونوں نے جگہ پائی - ہر ایک کو لئیق اور قابل مصنفوں کی تحریروں کے جانچنے اور اُن کی قدر کرنے اور اُن سے مزا اٹھانے کی لیاقت پیدا ہوگئی اور رفتہ رفتہ تمام قوم عالم اور محقق کے لقب کی مستحق ٹھہر گئی - اسپکٹیٹر کے پڑھنے والوں کو علم انشاء کی وہ خوبی جو اڈلیسن کے ذھن میں تھی معلوم ہوئی سب لوگ اس کی تحریر کے لطف و صفائی کی تعریف کرنے لگے اور سب لوگوں کو ایسے شخصوں کی تحریروں کے جانچنے کی جو علم انشاء میں ناموری کے خواہاں ہوتے تھے لیاقت حاصل ہوگئی - ان پرچون سے صرف علم ادب اور علم انشاء ھی ترقی نہیں ہوئی بلکہ اخلاق اور عادت اور خصلت کو بھی بہت کچھہ ترقی ہوئی نیکی کے برتاؤ میں جو خود انسان کی اپنی ذات سے اور اپنے خویش اور اقرباء دوست آشنا - یگانہ و بیگانہ سے علاقہ رکھتی ھے نہایت اعلےٰ درجہ کی تہذیب ملکی امورات کی بحث و مباحثہ میں جو تیزی و عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ھے وہ تھوڑے سے عرصہ میں نہایت کم ہوگئی اور جو لیاقت کہ صرف بحث و مباحثہ میں صرف ہوتی تھی وہ خوشگوار پانی کی

مانند خوبصورت نہروں میں بہنے لگی جنھوں نے اخلاق اور علم و ادب کو سیراب کر کر لوگوں کے دلوں کے برے اور خواب جوش کو پاک و صاف کردیا ۔

ہندوستان میں ہماری قوم کا حال اس زمانہ سے بھی زیادہ بدتر ہے اگر ہماری قوم میں صرف جہالت ہی ہوتی تو چندان مشکل نہ تھی مشکل تو یہ ہے کہ قوم کی قوم جہل مرکب میں مبتلا ہے علوم جن کا رواج ہماری قوم میں تھا یا ہے اور جس کے تکبر اور غرور سے ہر ایک پھولا ہوا ہے دین و دنیا دونوں میں بکار آمد نہیں ۔ غلط اور بے اصل باتوں کی پیروی کرنا اور بے اصل اور اپنے آپ پیدا کئے ہوئے خیالات کو امور واقعی اور حقیقی سمجھ لینا اور پھر ان پر فرضی بحثیں بڑھاتے جانا اور دوسری بات گو وہ کیسی ہی سچ اور واقعی کیوں نہ ہو نہ ماننا لفظی بحثوں پر علم و فضیلت کا دار و مدار ہونا ان کا نتیجہ ہے ۔

علم و ادب و انشاء کی خوبی صرف لفظوں کے جمع کرنے اور ہموزن اور قریب التلفظ کلموں کے تک ملانے اور دوراز کار خیالات بیان کرنے اور مبالغہ آمیز باتوں کے لکھنے پر منحصر ہے یہاں تک کہ دوستانہ خط و کتابت اور چھوٹے روز مرہ کے رقعوں میں یہ سب برائیاں بھری ہوئی ہیں ۔ کوئی خط یا رقعہ ایسا نہ ہوگا جس میں جھوٹ اور وہ بات جو درحقیقت دل میں نہیں ہے مندرجہ نہ ہو ۔ خطوط رسمیہ کے پڑھنے سے ہرگز تمیز نہیں ہوسکتی کہ حقیقت میں

اس خط کا لکھنے والا ایسا ہی ہمارا دوست ہے جیسا کہ اس میں لکھا ہے یا یہ صرف معمولی مضمون ہے جس کے لکھنے کا رواج پڑ گیا ہے - پس ایسی طرز تحریر نے تحریر کا اثر ہمارے دلوں سے کھودیا ہے اور ہم کو جھوٹی اور بناوٹی تحریر کا عادی کردیا ہے -

فن شاعری جیسا ہمارے زمانہ میں خراب اور ناقص ہے اس سے زیادہ کوئی چیز بری نہ ہوگی- مضمون تو بجز عاشقانہ کے اور کچھ نہیں ہے وہ بھی نیک جذبات انسانی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ ان بدجذبات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ضد حقیقی تہذیب و اخلاق کے ہیں -

خیال بندی کا طریقہ اور تشبیہ و استعارہ کا قاعدہ ایسا خراب و ناقص پڑ گیا ہے جس سے ایک تعجب تو طبیعت پر آتا ہے مگر اس کا اثر مطلق دل میں یا خصلت میں یا اس انسانی جذبہ میں جس سے وہ متعلق ہے کچھ بھی نہیں ہوتا- شاعروں کو یہ خیال ہی نہیں ہے کہ فطرتی جذبات اور اُن کی قدرتی تحریک اور ان کی جبلی حالت کا کسی پیرایہ یا کنایہ اشارہ یا تشبیہ و استعارہ میں بیان کرنا کیا کچھ دل پر اثر کرتا ہے - ملٹن کی پاراڈائز لاسٹ کچھ چیز نہیں ہے - بجز اس کے کہ انسان کی طبیعت کی حالت تصویر ہے جس کا ہر ہر شعر دل میں گھر کر جاتا ہے - شکسپیر میں کچھ نہیں ہے بجز اس کے کہ اس نے انسان کا نیچر یعنی قدرتی بناوٹ طبیعت کو بیان کیا ہے جو نہایت مؤثر

انسان کی طبیعت پر ہے - علم دین تو وہ خراب ہوا ہے جیسا خراب ہونیکا حق ہے - اس معصوم سیدھے سادے سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالے کے احکام سیدھے پن و صفائی و بے تکلفی سے جاہل ان پڑہ بادیہ نشیں عرب کی قوم کو پہنچائے تھے اس میں وہ نکتہ چینیاں باریکیاں گھسیڑی گئیں اور وہ مسائل فلسفیہ اور دلائل منطقیہ ملائی گئیں کہ اس میں اُس صفائی ء سچائی اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں رہا - بمجبوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرآن و معتمد حدیثوں میں تھے چھوڑنا پڑا اور زید و عمرو کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی - علم مجلس اور اخلاق اور برتاؤ دوستی کا ایک ایسے طریقہ پر پڑگیا ہے جو نفاق سے بھی بدتر ہے - اخلاق صرف منھہ پر میٹھی باتیں بنانے اور اوپری تپاک جتانے کا نام ہے - آپس میں دو شخص ایسی محبت اور دلسوزی کی باتیں کرتے ہیں کہ دیکھنے سننے والے اُن دونوں کو یک مغز و دو پوست سمجھتے ہیں مگر جب ان کے دل کو دیکھو تو یک پوست و دو مغز سے زیادہ بے میل ہیں - صرف مکاری اور ظاہرداری کا نام اخلاق رہ گیا ہے اور بے ایمانی اور دغابازی کا نام ہوشیاری -

گفتگو پر خیال کرو تو عجب ہی لطف دکھائی دیتا ہے اگرچہ اکھڑ لفظ تو نہیں ہوتے مگر ہزاروں اکھڑ مضمون زبان سے نکلتے ہیں - نہایت مہذب اور معقول و ثقہ نیک و دیندار آدمی بھی اپنی گفتگو میں تہذیب و شائستگی کا مطلق

خیال نہیں کرتے - دوست کی بات کو جھوٹ کہدینا، دوست کی نسبت جھوٹ کی نسبت کردینا یہ تو ادنے روزمرہ کی بات ھے - ایک نہایت نیک آدمی اپنے بڑے مقدس دوست کے بیٹے سے عین حالت تباک اور خوش اخلاقی اور جوش محبت کی باتوں میں کہہ رہا تھا کہ تمہارے باپ تو جھوٹوں کے بادشاہ ھیں وہ تو دن رات سیکڑوں غپیں ھانک دیتے ھیں - ان کی بات پر کیا اعتبار ھے - پس افسوس ھے ھم کو خود اپنے پر کہ ھمارے ایسے دوست ھیں - اگر اشراف جوان دوستوں کی محفل میں جاؤ تو سنو کہ وہ آپس میں کیسی گالم گلوچ اور فحش باتیں ایک دوسرے کی نسبت کرتے ھیں - ایک نہایت معزز شریف خاندانی آدمی نے جو صاحب تصانیف ھیں اور اردو کے علم ادب میں مشہور ھیں تیس منٹ مجھ سے دوستانہ گفتگو کی اور میں نے خوب خیال کر کر گنا کہ ان کے منہ سے چھتیس لفظ گالیوں کے نکلے جس میں سے کچھہ اپنی نسبت تھیں اور کچھہ اُس کتاب اور اُس کے مصنف کی نسبت جس کا ذکر تھا اور کچھہ ادھر اُدھر بیٹھنے والوں اور سننے والوں کی نسبت -

امیروں کا حال دیکھو تو ان کو دن رات بٹیر لڑانے اور مرغ لڑانے اور کبوتر اوڑانے اور اور اسی طرح تمام لغویات میں اپنی زندگی بسر کرنے کے سوا اور کچھہ کام و دھندا نہیں نیکی پر متوجہ ھوتے ھیں تو اُس کو اتنا گھونٹتے ھیں کہ بدمزہ ھوجاتی ھے اور جب بدی پر اترتے ھیں پھر

تو شیطان کے بھی کان کترتے ھیں -

غرضکہ جو کچھہ اس زمانہ میں فرنگستان میں تھا وھی کچھہ بلکہ اُس بھی زیادہ اب ھندوستان میں موجود ھے اور بلا شبہ ایک ٹیٹلر اور ایک اسپکٹیٹر کی یہاں ضرورت سو خدا کا شکر ھے کہ یہ پرچہ انھی کے قائم مقام مسلمانوں کے لئے ھندوستان میں جاری ھوا - مگر افسوس کہ یہاں کوئی اسٹیل اور اڈیسن نہیں ھے -

اسٹیل اور اڈیسن کو اپنے زمانہ میں ایک بات کی بہت آسانی تھی کہ ان کی تحریر اور ان کے خیالات جہاں تک کہ تھے تہذیب و شائستگی و حسن معاشرت پر محدود تھے - مذھبی مسائل کی چھیڑ چھاڑ ان میں کچھہ نہیں تھی - ھم بھی مذھبی خیالات سے بہت بچنا چاھتے ھیں مگر ھمارے ھاں تمام رسمیں اور عادتیں مذھب سے ایسی مل گئی ھیں کہ بغیر مذھبی بحث کئے ایک قدم بھی تہذیب و شائستگی کی راہ میں نہیں چل سکتے - جس بات کو کہو کہ چھوڑو فوراً جواب ملے گا کہ مذھباً ثواب ھے اور جس بات کو کہو کہ سیکھو اسی وقت کوئی بولے گا کہ مذھباً منع ھے - بس ھم مجبور ھیں کہ تہذیب و شائستگی اور حسن معاشرت سکھانے میں ھم کو مذھبی بحث کرنی پڑتی ھے -

مذھبی بحث کا ایک عجیب سلسلہ ھے کہ ایک چھوٹی سی بات پر بحث کرنے سے بڑے بڑے مسائل اور اصول مذھب بحث میں آجاتے ھیں اور اس لئے لاچار کبھی ھم کو

فقه سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول فقه سے اور کبھی حدیث سے بحث کرنی ہوتی ہے اور کبھی اصول حدیث سے اور کبھی تفسیر سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول تفسیر سے - پس ہندوستان مین صرف اسٹیل اور اڈیسن کی ضرورت نہیں ہے بلکه مقدس لوتھر کی بھی بہت بڑی حاجت ہے -

اسٹیل اور اڈیسن کی خوش قسمتی تھی که ان کے زمانه کے لوگ ان کی تحریروں کو پڑھتے تھے اور قدر کرتے تھے اور ہماری یه بد نصیبی ہے که ہماری تحریروں کو مذہب کے برخلاف کہا جاتا ہے اور اُن کا پڑھنا باعث عذاب سمجھا جا تا ہے - اسٹیل اور اڈیسن اپنے ہر پرچه کے مشتہر ہونے کے بعد واہ واہ کی آواز سننے سے اپنی محنت و مشقت - فکر و خیال کی کلفت کو دور کرتے ہوں گے اور ہم اپنی تحریروں کے مشتہر ہونیکے بعد بجز لعنت و ملامت سننے کے اور کسی بات کی توقع نہیں رکھتے ہیں - اسٹیل و اڈیسن جن لوگوں کی بھلائی کرتے تھے اُن سے بھلا سنتے - ہم جن کی بھلائی چاہتے ہیں ان سے برائی پاتے ہیں - جن کے حق میں بھلا کہتے ہیں اُن سے برا سنتے ہین - اسٹیل اور اڈیسن کو ہزاروں دل اپنی طرف کرلینے کچھه مشکل نه تھے اور ہم کو ایک دل بھی اپنی طرف کرنا نہایت مشکل ہے - اسٹیل و اڈیسن کو بنے بنائے دل اپنی طرف جھکانے تھے ہم کو یه مشکل ہے که دل بھی ہم ہی کو بنانا ہے اور ہم

ہی کو اس کو جھکانا ہے۔

لوگ ہمارے ان خیالات کو جنون اور مالیخولیا بتاتے ہیں۔ مگر دیوانہ بکار خود ہوشیار۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اور اپنے قلیل زمانہ میں ہم نے کیا کچھہ کیا ہے۔ اس لئے ہم آئندہ کی بہتری کی خدا سے توقع رکھتے ہیں۔ اور اچھے دن آنے والوں کی پیشنگوئی کرتے ہیں۔ گو ان کے آنے کا زمانہ ہم نہیں جانتے۔ مگر یقین کرتے ہیں کہ ضرور بے شک آنیوالے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اس مسکین پرچہ کے ذریعہ سے ہندوستان میں وہ کچھہ کرین گے جو اسٹیل اور اڈیسن نے انگلستان میں کیا۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہم سے ہوسکتا ہے ہم اپنا فرض پورا کرتے ہیں۔ وللہ درمن فال السعی منی و الا تمام من اللہ تعالی۔

آخری پرچہ

تہذیب الاخلاق

سوتوں کو جھنجھوڑتے ہیں تاکہ جاگ اٹھیں - اگر اٹھہ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہوگیا - اور اگر نیند میں اٹھانے سے کچھ بڑ بڑائے اور کچھ چھنجلائے - ادھر ہاتھہ جھٹک دیا اُدھر پیر پھٹک دیا اور جھنجلاہٹ میں ایغڈے پڑے رہے تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اٹھیں گے - شاید ہمارے بھائیوں کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہم کو بھی زیادہ چھیڑنا نہ چاہئے اور تہذیب الاخلاق کو بند کر کر دور سے نیند کے اُن خماو آلودوں کا جواب صرف جھنجلاہٹ سے اینڈے پڑے ہیں اٹھنا اور ہوشیار ہونا دیکھنا چاہئے - بچے آٹھاتے وقت کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم کو اٹھائے جاؤ گے تو ہم اور پڑے رہیں گے - تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھہ کھڑے ہوں - بچہ کڑوی دوا پیتے وقت منہہ بسور کر ماں سے کہتا ہے کہ بی یہ

مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹا پی لے پی لے تم چپ ہو رہو میں آپ ہی پی لوں گا - لو بھائیو - اب ہم بھی نہیں کہتے کہ اٹھو اٹھو پی لو - اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنے کو ناصح مشفق سمجھتا ہوں بلکہ جو ہٹ اور جو حالت ہماری قوم کی ہے اُس کو جتلانا چاہتا ہوں -

ایک دن تھا کہ ہم بھی اسی رنگ میں مست تھے-ایسی گہری نیند سوتے تھے - کہ فرشتوں کے بھی اٹھائے نہ اٹھتے تھے - اب ہماری یہ مثل ہے کہ

لو آج میر مسجد جامع کے ہیں امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جا نماز کا

کیا کیا خیالات ہماری قوم میں ہیں جو ہم میں نہ تھے- اور کیسی کیسی کالی گھٹائیں ہماری قوم پر چھا رہی ہیں جو ہم پر نہ تھیں - جب رند تھے تو فرھاد سے بڑھ کر تھے - جب زاھد خشک تھے تو نہایت ہی اکھڑ تھے - جب صوفی تھے تو رومی سے برتر تھے - اب خاکسار ہیں اور اپنی قوم کے غمخوار - تم کو کس نے جگایا؟ دل اور زمانے نے- دل کی گھڑت ایسی تھی جس میں ہمیشہ غمخواری تھی - پر سوتا تھا - زمانہ نے جھٹکا دیا اور جگا دیا - دفعتاً دیکھا کہ دنیا الٹ گئی اور رنگ برنگ کی پھلواڑی سب اجڑ گئی - قوم کی حالت وہ دیکھی کہ خدا کسی کو نہ دکھلائے- اسلام کی وہ صورت پائی کہ خدا کرے کافر بھی نہ پائے - اس بربادی کے سبب کا غیر قوم کو تو اور ہی خیال ہوا - پر

غلط ہوا - اور مجھ کو ہوا وہ خود اپنی قوم کی حالت کا ابتر ہونا تھا - قوم کیا دنیا کی باتوں میں اور کیا دین کے کاموں میں ایسے تاریک گھڑے میں پڑی تھی کہ ادھر اُدھر کی چیزیں تو درکنار وہ اس گھڑے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں پڑی تھی - پھر میرا دل آخر دل ہی تھا - پتھر نہ تھا جو نہ پگلتا اور اپنی قوم کی حالت پر غم نہ کرتا - ایک مدت تک اسی غم میں پڑا سوچتا رہا کہ کیا کیجئے - جو خیالی تدبیریں کرتا تھا کوئی بن پڑتی نہ معلوم ہوتی تھی - جتنی امیدیں کرتا تھا - سب ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں - آخر یہ سوچا کہ سوچنے سے کرنا بہتر ہے کرو جو کچھ کر سکو ہو یا نہ ہو اسی بات پر دل ٹھہرا ہمت نے ساتھ دیا اور صبر نے سہارا اور اپنی قوم کی بھلائی میں قدم گاڑا - اس میں خدا کی طرف کا بدلہ تو نہ جب معلوم تھا اور نہ اب معلوم ہے - مگر قوم کی طرف کا بدلہ اسی وقت سے معلوم ہوتا تھا جو اب ظاہر ہے - کافر - مرتد - ملحد - زندیق - اسلام کا دشمن - مسلمانوں کا ہاجی - قوم کا عیب جو - دین و دنیا سے آزاد - کہنا اور نام پر دو چار صلواتیں سنا دینا - اور ہم پر اس مثل کا صادق آنا کہ ''دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا،، مگر شکر ہے کہ ان کی کسی بات نے ہمارا دل نہیں دکھایا - اور ہمیشہ ہمارے دل میں یہی رہا کہ اے خدا اُن پر رحم کر کیونکہ وہ نہیں جانتے -

انہی قومی بھلائی کے ولولوں میں سے تہذیب الاخلاق کا

نکالنا بھی ایک ولولہ تھا جس کا اصلی مقصود قوم کو اس کی دینی اور دنیاوی ابتر حالت کا جتلانا اور سوتوں کو جگانا بلکہ مردوں کو اٹھانا اور بند سڑے ہوئے پانی میں تحریک کا پیدا کرنا تھا - یقین تھا کہ سڑے ہوئے پانی کو ہلانے سے بدبو زیادہ پھیلے گی - مگر حرکت آجانے سے پھر خوشگوار ہوجانے کی توقع ہوتی تھی - پس کیا ہم نے جو کچھ کرنا تھا - اور پایا ہم نے جو کچھ کہ پانا تھا - مگر خدا سے آرزو ہے کہ اگر ہم نے وہ نہیں کیا جو ہم کو کرنا تھا تو وہی کرے جو اُس کو کرنا ہے

از بندہ خضوع التجا می زیبد
بخشائش بندہ از خدا می زیبد
گر من کنم آنکہ آن مرا نا زیبا است
تو کن ہمہ آنکہ آن ترا می زیبد

سات برس تک ہم نے بذریعہ اپنے اس پرچہ کے اپنی قوم کی خدمت کی- مذہبی بیجا جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ چلی جاتی تھی اس سے خبردار کیا - دنیاوی باتوں میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی اس میں اُن کو روشنی دکھلائی - مذہب اسلام پر نادانی کی جس قدر گھٹائیں چھا رہی تھیں ان کو ہٹایا اور اس کے اصلی نور کو جہاں تک ہم سے ہوسکا چمکایا - اردو زبان کا علم ادب جو بد خیالات اور بھونڈے و بھدے الفاظ کا مجمع ہو رہا ہے اس میں بھی جہاں تک ہم سے ہوسکا - ہم نے اصلاح چاہی -

یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اس میں کچھ کیا - مگر ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنی دانست میں ان باتوں میں بقدر اپنی طاقت کے کوشش کی - قومی- ہمدردی - قومی عزت - سلف آنر یعنی اپنے آپ عزت کا خیال اگر ہم نے اپنی قوم میں پیدا نہیں کیا تو ان لفظوں کو تو ضرور اردو زبان کے علم ادب میں داخل کیا - ہم نے جو کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو - مگر ہر طرف سے تہذیب و شائستگی کا غلغلہ سنا - قومی ہمدردی کی صداؤں کا ہمارے کانوں میں آنا - اردو زبان کے علم ادب کا ترقی پانا - یہی ہماری مرادیں تھیں جن کو ہم نے بھر پایا - اب بہت لوگ ہیں جو ان باتوں کو پکارتے ہیں گو اس وقت ٹھیڑی مھیڑی لہریں کھاتے ہیں مگر پانی میں حرکت کا آجانا کافی ہے پھر وہ خود اپنی پنسال میں چورس ہو رہے گا -

اس لئے مناسب ہے کہ اب ہم بس کریں اور پانی کو آپ ہی اپ چورس ہونے دیں - ہمارے دوست ہماری اس خاموشی کا کوئی سبب دور از کار نہ خیال کریں گے اور نہ اس پر التفات کریں گے جو ہمارے ناصح نور الافاق نے اپنے اخیر پرچہ میں لکھا تھا بلکہ یہ خیال کریں گے کہ ہم کسی دوسری قومی بھلائی کے کام میں مصروف ہوں گے جو اس سے بھی زیادہ قوم کو مفید ہوگا - خدا تعالی نے فرمایا ہے ''مانسخ من آئۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا،، اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے ایسے دوست ہیں جو اس

پرچہ کے بند ہونے سے نہایت ہی شکستہ خاطر ہوں گے - مگر ہم ان سے معذرت کرتے ہیں اور اب اس پرچہ کو ان سے رخصت کرتے ہیں - اب وہ دن بھی آنے والا ہے - کہ ہم خود ہی اُن سے رخصت ہوں گے -

ہم نے اپنے اس ارادہ سے اپنے بعض دوستوں کو مطلع کیا تھا۔ اور جب ان کو معلوم ہوگیا کہ ہم نے یہ ارادہ مصمم کرلیا ہے تو انہوں نے ہمارے ان سات برس کے پرچوں کے ریویو لکھے ہیں جن کو ہم نہایت احسانمندی و شکر گزاری سے اس اپنے اخیر پرچہ میں درج کرتے ہیں -
والسلام -

سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ

عہد قدیم کے مؤرخ لکھتے ہیں کہ اگلے زمانے میں فارس کے شرفاء اپنے بچوں کے لئے تین باتوں کی تعلیم میں بڑی کوشش کرتے تھے، شہسواری، تیراندازی، اور راست بازی، شہسواری اور تیراندازی تو بے شک سہل آجاتی ہوگی، مگر کیا اچھی بات ہوتی اگر ہمیں معلوم ہوجاتا کہ راست بازی کن کن طریقوں سے سکھاتے تھے اور وہ کونسی سپر تھی کہ جب دروغ دیوزاد آکر اُن کے دلوں پر شیشہ جادو مارتا تھا تو یہ اس چوٹ سے اُس کی اُوٹ میں بچ جاتے تھے -

اس میں شک نہیں کہ دنیا بری جگہ ہے - چند روزہ عمر میں بہت سی باتیں پیش آتی ہیں جو اس مشت خاک کو اس دیو آتش زاد کی اطاعت کے لئے مجبور کرتی ہیں - انسان سے اکثر ایسا جرم ہوجاتا ہے کہ اگر قبولے تو مرنا پڑتا ہے - ناچار مکرنا پڑتا ہے - کبھی ابلہ فریبی کرکے جاہلوں کو پھنساتا ہے - جب لقمۂ رزق کا پاتا ہے اس کے

علاوہ بہت مزے دنیاً کے ہیں کہ مکرو دغا ان کی چاٹ لگاتی ہے ۔ اور جزوی جزوی خطائیں ہو جاتی ہیں جن سے مکرتے ہی بن آتی ہے ۔ غرض بہت کم انسان ہوں گے جن میں یہ حوصلہ و استقلال ہو کہ راستی کے راستے میں ہر دم ثابت قدم ہی رہیں ۔

یہ بھی یاد رہے کہ انسان کے سچ بولنے کے لئے سننے والے بھی ضرور ہیں ۔ کیونکہ خوشامد جس کی دوکان میں آج موتی برس رہے ہیں، اس سے زیادہ جھوٹ کیا ہوگا ۔ اور کون ایسا ہے جو اسکی قید کا زنجیری نہیں ۔ ڈرپوک بچارا ڈر کا مارا خوشامد کرتا ہے ۔ تابعدار امید کا بھوکا آقا کو خوش کر کے پیٹ بھرتا ہے ۔ دوست محبت کا بندہ ہے ۔ اپنے دوست کے دل میں اسی سے گھر کرتا ہے ۔ بہت سے ایسے بھی ہیں کہ نہ غلام ہیں نہ ڈرپوک ہیں ۔ انہیں باتوں ہی باتوں میں خوش کردینے کا شوق ہے ۔ اسی طرح جب جلسوں میں نمودئے گدھوں کے دعوے بل ڈاک کی آواز سے کئی میدان آگے نکل جاتے ہیں ۔ تو ان میں وہ لوگ بھی ہوئے ہیں۔ جنہیں کچھ امید، کچھ ڈر، کچھ مروت سے غرض چارو ناچار، کبھی ان کے ساتھ کبھی پیچھے پیچھے دوڑنا پڑتا ہے ۔ آج کل تو یہ حال ہے کہ جھوٹ کی عملداری دور دور تک پھیل گئی ہے بلکہ جن صاحب تمیزوں کو قوت عقلی جھوٹ نہیں بولنے دیتی اور خود اس مردار سے متنفر ہیں وہ بھی اس کے حامی ہوکر اوروں کے اخلاق خراب کرتے

ھیں - سچ کا عجب حال ھے کہ اتنا تو اچھا ھے، مگر پھر لوگ اسے ہر قت اچھا نہیں سمجھتے، چنانچہ جب کسی شے پر دل آجاتا ھے اور سچ اس کے بر خلاف ھوتا ھے تو اس وقت سچ سے زیادہ کوئی برا نہیں معلوم ھوتا - اصل یہ ھے کہ حضرت انسان کو حقیقت اور واقعیت سے کچھ غرض نہیں - جس کو نہیں چاھتا اُسکا جاننا بھی نہیں چاھتے، جو بات پسند نہیں آتی اُسکا ذکر بھی نہیں سنتے - اس کان سے سنتے ھیں - اُس کان سے نکال دیتے ھیں -

حکیموں نے جھوٹ سے متنفر ھونے کی بہت سی تدبیریں نکالی ھیں - جس طرح بچوں کو کڑوی دوا مٹھائی میں ملاکر کھلاتے ھیں، اسی طرح انواع و اقسام کے رنگوں میں اسکی نصیحتیں کی ھیں، تاکہ لوگ اُسے ھنستے کھیلتے چھوڑ دیں - واضح ھو کہ ملکہ صداقت زبانی سلطان آسمانی کی بیٹی تھی، جو کہ ملکہ دانش خاتون کے پیٹ سے پیدا ھوئی تھی، جب ملکہ موصوفہ نے ھوش سنبھالا تو اول تعلیم و تربیت کے سپرد ھوئی، جب اُنھوں نے اُس کی پرورش میں اپنا حق ادا کردیا تو باپ کے دربار میں سلام کو حاضر ھوئی اُسے نیکی اور نیک ذالی کے ساتھ خوبیوں اور محبوبیوں کے زیور سے آراستہ دیکھ کر سب نے صدق دل سے تعریف کی عزت و دوام کا تاج مرصع سر پر رکھا ، اور حکم ھوا کہ جاؤ اولاد آدم میں اپنا نور پھیلاؤ عالم سفلی میں دروغ دیوزاد ایک سفلۂ نابکار تھا کہ حمق تیرہ دماغ اُس کا باپ تھا اور ھوس

ہوا پرست اُس کی ماں تھی ۔ اگرچہ اُسے دربار میں آنے کی اجازت نہ تھی، مگر جب کسی تفریح کی صحبت میں تمسخر اور ظرافت کے بھانڈ آیا کرتے تھے تو اُن کی سنگت میں وہ آ جاتا تھا ۔ اتفاقاً اُس دن وہ بھی آیا ہوا تھا اور بادشاہ کو ایسا خوش کیا تھا کہ اُسے ملبوس خاص کا خلعت مل گیا تھا ۔ یہ منافق دل میں سلطان آسمانی سے سخت عداوت رکھتا تھا، ملکہ کی قدر و منزلت دیکھ کر اُسے حسد کی آگ نے بھڑکایا ۔ چنانچہ وہاں سے چپ چپاتے نکلا اور ملکہ کے عمل میں خلل ڈالنے کو ساتھ ساتھ روانہ ہوا ۔ جب یہ دو دعویدار نئے ملک اور نئی رعیت کے تسخیر کرنے کو اُٹھے تو چونکہ بزرگان آسمانی کو ان کی دشمنی کی بنیاد ابتدا سے معلوم تھی، سب کی آنکھیں ادھر لگ گئیں کہ دیکھیں ان کی لڑائی کا انجام کیا ہوا ؟

سچ کے زور و طاقت کون نہیں جانتا، چنانچہ ملکہ صداقت کو بھی حقیقت کے دعوے تھے، اُٹھی اور اپنے زور میں بھری ہوئی اُٹھی، اسی واسطے بلند اُٹھی اکیلی آئی اور کسی کی مدد ساتھ نہ لائی ہاں آگے آگے فتح و اقبال نور کا غبار اُڑاتے آتے تھے اور پیچھے پیچھے ادراک پرواز تھا مگر صاف معلوم ہوتا تھا کہ تابع ہے شریک نہیں ملکہ کی شان شاہانہ تھی اور دبدبہ خسروانہ تھا اگرچہ آہستہ آہستہ آتی تھی، مگر استقلال رکاب پکڑے تھا اور جو قدم اُٹھتا تھا ، دس قدم آگے پڑتا نظر آتا تھا ساتھ اس کے جب ایک دفعہ جم جاتا تھا تو انسان کیا فرشتہ

سے بھی نہ ہٹ سکتا تھا - دروغ دیوزاد بہروپ بدلنے میں طاق تھا ملکہ کی ہر بات کی نقل کرتا تھا اور نئے سوانگ بھرتا تھا تو بھی وضع اُس کی گبھرائی ہوئی معلوم ہوتی تھی، دنیا کی ہواؤہوس ہزاروں رسالے اور پلٹنیں اس کے ساتھ لئے تھیں، اور چونکہ یہ ان کی مدد کا محتاج تھا، اسی لالچ کا مارا کمزور تابعداروں کی طرح ان کے حکم اٹھاتا تھا، ساری حرکتیں اس کی بے معنی تھیں اور کام بھی اُلٹ پلٹ بے ادبیاں تھے کیونکہ استقلال ادھر نہ تھا، اپنی شعبدہ بازی اور نیرنگسازی سے فتحیاب تو جلد ہو جاتا تھا مگر تھم نہ سکتا تھا، ہواؤہوس اس کے یار وفادار تھے اور اگر کچھ تھے تو وہی سنبھالے رہتے تھے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوجاتا تھا کہ دونوں کا آمنا سامنا ہوکر سخت لڑائی آ پڑتی تھی، اس وقت دروغ دیوزاد اپنی دھوم دھام بڑھانے کے لئے سر پر بادل کا دھواں دھار بیگڑ لپیٹ لیتا تھا، لاف و گزاف کو حکم دیتا کہ شیخی اور نمود کے ساتھ آگے جاکر غل مچانا شروع کردو، ساتھ ہی دغا کو اشارہ کر دیتا تھا کہ گھات لگاکر بیٹھ جاؤ، دائیں ھاتھ میں طراری کی تلوار، بائیں میں بے حیائی کی ڈھال ہوتی تھی، غلط نماتیروں کا ترکش آویزاں ہوتا تھا ہواؤہوس دائیں بائیں دوڑتے پھرتے تھے، دل کی ہٹ دھرمی، بات کی پچ پیچھے سے زور لگاتے تھے، غرض کبھی مقابلہ کرتا تھا تو ان زوروں کے بھروسے پر کرتا تھا اور باوجود اس کے ہمیشہ یہی چاہتا تھا کہ دور دور سے لڑائی ہو، میدان میں

آتے ہی تیروں کی بوچھاڑ کر دیتا تھا، مگر وہ بھی بادھوائی، اٹکل پچو بے ٹھکانے ہوتے تھے خود ایک جگہ پر نہ ٹھہرتا تھا، دمبدم جگہ بدلتا تھا، کیونکہ حق کی کمان سے جب تیر نظر اس کی طرف سر ہوتا تھا تو جھٹ تاڑ جاتا تھا، ملکہ کے ہاتھ میں اگرچہ باپ کی کڑک بجلی کی تلوار نہ تھی مگر تو بھی چہرہ ہیبت ناک تھا، اور رعب خدا داد کا خود سر پر دھرا تھا، جب معرکہ مار کر ملکہ فتحیاب ہوتی تھی تو یہ شکست نصیب اپنے تیروں کا ترکش پھینک بیحیائی کی ڈھال منہ پر لے ہواؤہوس کی بھیڑ میں جاکر چھپ جاتا تھا، نشان لشکر گر پڑتا تھا اور لوگ پھریرا پکڑے زمین پر گھسیٹتے پھرتے تھے۔ ملکہ صداقت زمانی کبھی زخمی بھی ہوتی تھی، مگر سانچ کو آنچ نہیں، زخم جلد بھر آتے تھے اور وہ جھوٹا نابکار جب زخم کھاتا تھا تو ایسے سڑتے تھے کہ اوروں میں بھی وبا پھیلا دیتے تھے مگر ذرا انگور بندھے اور پھر میدان میں آن کودا۔

دروغ دیو زاد نے تھوڑے ہی تجربے میں معلوم کر لیا تھا کہ بڑائی اور دانائی کا پردہ اسی میں ہے کہ ایک جگہ نہ ٹھہروں، اس لئے دھوکہ بازی اور شبہ کاری کو حکم دیا کہ ہمارے چلنے پھرنے کے لئے ایک سڑک تیار کرو، مگر اس طرح کے ایچ پیچ اور ہیر پھیر دے کر بناؤ کہ شاہراہ صداقت جو خط مستقیم میں ہے اس سے کہیں نہ ٹکرائے، چنانچہ جب اس نابکار پر حملہ کرتا تھا تو اسی راستے سے جدھر

چاهتا تھا نکل جاتا تھا اور جدھر سے چاهتا تھا پھر آن موجود هوتا تھا۔

ان رستوں سے اس نے ساری دنیا پر حملے کرنے شروع کر دیئے اور بادشاهت اپنی تمام عالم میں پھیلا کر دروغ شاہ دیو زاد کا لقب اختیار کیا۔ جہاں جہاں فتح پاتا تھا، هواؤهوس کو اپنا نائب چھوڑتا اور آپ فوراً کھسک جاتا، وہ اس فرمانروائی سے بہت خوش ہوتے تھے اور جب ملکه کا لشکر آتا تھا تو گھاتوں کی سے مقابله کرتے تھے، جھوٹی قسموں کی ایک لمبی زنجیر بنائی تھی، سب اپنی کمریں اس میں جکڑ لیتے تھے که هرگز ایک دوسرے کا ساتھ نه چھوڑیں گے مگر سچ کے سامنے جھوٹ کے پاؤں کہاں؟ لڑتے تھے اور متابعت کرکے ہٹتے تھے، پھر ادھر ملکه نے منه پھیرا، ادھر باغی هوگئے، ملکه جب آسمان سے نازل ہوتی تھی تو سمجھتی تھی که نبی آدم میرے آنے سے خوش ہوں گے جو بات سنیں گے اُسے مانیں گے اور حکومت میری تمام عالم میں پھیل کر مستقل هو جائیگی، مگر یہاں دیکھا که گذاره بھی مشکل هے، لوگ هٹ دھرمی کے بندے هیں اور هواؤهوس کے غلام هیں اور اس میں شک نہیں که ملکه کی حکومت آگے بڑھتی تھی، مگر بہت تھوڑی تھوڑی، اس پر بھی یه دشواری تھی که ذرا اس طرف سے هٹی اور پھر بدعملی هوگئی کیونکه هواؤهوس جھٹ بغاوت کا نقارہ بجا دشمن کے زیر علم جا موجود هوتی تھی هر چند ملکه صداقت زمانی ان باتوں سے کچھ دبتی نه تھی،

کیونکہ اس کا زور کسی کے بس کا نہ تھا۔ مگر جب بار بار ایسے پاجی کمینے کو اپنے مقابلہ پر دیکھتی تھی اور اس میں سوائے مکر و فریب اور کمزوری' بے ہمتی کے اصالت اور شجاعت کے نام نہ پاتی تھی تو گھٹتی تھی اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی تھی جب سب طرح سے ناامید ہوئی تو غصہ ہو کر اپنے باپ سلطان آسمانی کو لکھا کہ آپ مجھے اپنے پاس بلا لیجئے ، دنیا کے لوگ اس شیطان کے تابع ہو کر جن بلاؤں میں خوش ہیں، انہی میں رہا کریں ، اپنے کئے کی سزا آپ پا لیں گے۔ سلطان آسمانی اگرچہ اس عرضی کو پڑھ کر بہت خفا ہوا ، مگر پھر بھی کوتاہ اندیشوں کے حال پر ترس کھایا اور سمجھا کہ اگر سچ کا قدم دنیا سے اُٹھا تو جہاں اندھیرا اور تمام عالم تہ و بالا ہو جائے گا، چنانچہ اس خیال سے اُس کی عرضی نامنظور کی ، ساتھ اس کے یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ میرے جگر کا ٹکڑا جھوٹے بداصلوں کے ہاتھوں یوں مصیبت میں گرفتار رہے ، اسی وقت عالم بالا کے پاک نہادوں کو جمع کر کے ایک انجمن منعقد کی، اس میں دو امر تنقیح طلب قرار پائے۔

(۱) کیا سبب ہے کہ ملکہ کی کارروائی اور فرمانروائی دنیا میں ہر دلعزیز نہیں۔

(۲) کیا تدبیر ہے جس سے اس کے آئین حکومت کو جلد اہل عالم میں رسائی ہو اور اسے بھی ان تکلیفوں سے رہائی ہو؟

کمیٹی میں یہ بات کھلی کہ درحقیقت ملکہ کی طبیعت میں ذرا سختی ہے، اور کاروائی میں تلخی ہے، صدر انجمن نے اتفاق رائے کرکے اس قدر زیادہ کہا کہ ملکہ کے دماغ میں اپنی حقیقت کے دعووں کا دھواں اس قدر بھرا ہوا ہے کہ ہمیشہ ریل گاڑی کی طرح سیدھے خط میں چل کر کامیابی چاہتی ہے جس کا زور طبیعتوں کو سخت اور دھواں آنکھوں کو کڑوا معلوم ہوتا ہے، بعض اوقات لوگوں کو اس کی راستی سے نقصان اٹھانے پڑتے ہیں، کبھی ایسے فساد اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جن کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے اور یہ زمانہ ایسا ہے کہ دور اندیشی اور صلاح وقت کے بغیر کام نہیں چلتا، پس اسے چاہئے کہ جس طرح ہو سکے اپنی سختی اور تلخی کی اصلاح کرے، جب تک یہ نہ ہوگا لوگ اُسکی حکومت کو رغبت سے قبول نہ کریں گے کیونکہ دیودروغ کی حکومت کا ڈھنگ بالکل اس کے برخلاف ہے، اول تو اس میں فارغ البالی بہت ہے، اور جو لوگ اسکی رعایا میں داخل ہو جاتے ہیں، انہیں سوائے عیش و آرام کے دنیا کی کسی بات سے خبر نہیں ہوتی، دوسرے وہ خود بہروپیہ ہے جو صورت سب کو بھائے وہی روپ بھر لیتا ہے، اور اوروں کی مرضی کا جامہ پہنے رہتا ہے، غرض اہل انجمن نے صلاح کرکے ملکہ کے طرز لباس بدلنے کی تجویز کی، چنانچہ ایک ویسا ہی ڈھیلا ڈھالا جامہ تیار کیا، جیسا کہ جھوٹ پہنا کرتا تھا، وہ پہن کر لوگوں کو جل دیا کرتا تھا، اس جامہ کا مصلحت

زمانہ نام ہوا، چنانچہ اس خلعت کو زیب بدن کر کے ملکہ پھر ملک گیری کو اٹھی، جس ملک میں پہنچتی، اور آگے کو راستہ مانگتی ہواؤہوس حاکم وہاں کے اسے دروغ شاہ دیو زاد سمجھ کر آتے اور شہر کی کنجیاں نذر گزرانتے، ادھر اس کا دخل ہوا، ادھر ادراک آیا اور جھٹ وہ جامہ اتار لیا، جامے کے اترتے ہی اس کی اصلی روشنی اور ذاتی حسن و جمال پھر چمک کر نکل آیا، چنانچہ اب یہی وقت آ گیا ہے، یعنی جھوٹ اپنی سیاہی کو ایسا رنگ آمیزی کر کے پھیلاتا ہے کہ سچ کی روشنی کو لوگ اپنی آنکھوں کے لئے مضر سمجھنے لگے ہیں، اگر سچ کہیں پہنچکر اپنا نور پھیلانا چاہتا ہے تو پہلے جھوٹ سے کچھ زرق برق کپڑے مانگ تانگ کر لاتا ہے جب تبدیل لباس کر کے وہاں جا پہنچتا ہے تو وہ لفافہ اُتار کر پھینک دیتا ہے، پھر اپنا اصلی نور پھیلاتا ہے کہ جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے -

امارت اور دریا دلی کے کارنامے

مرزا عبدالرحیم خان خانان

جو دو کرم کے باب میں بے اختیار تھا - ہمت اور حوصلہ کے جوش فوارہ کی طرح اچھلے پڑتے تھے اور عطا و انعام کے لئے بہانہ ڈھونڈتے تھے - اس کی امیرانہ طبیعت بلکہ شاہانہ مزاج کی تعریفوں میں شعرا اور مصنفین کے لب خشک ہیں - علما - صلحا - فقرا - مشائخ وغیرہ - سب کو ظاہر اور خفیہ ہزاروں روپیے اشرفیاں اور دولت و مال دیتا تھا - اور شعرا اور اہل کمال کا تو مائی باپ تھا - جو آتا ان کی سرکار میں آکر اس طرح اُترتا - جیسے اپنے گھر میں آگیا اور اتنا کچھ پاتا تھا کہ بادشاہ کے دربار میں جانیکی ضرورت نہ ہوتی تھی - مآثرالامراء میں لکھا ہے کہ اِس کے وقت میں اہل کمال کا وہ مجمع تھا جو سلطان حسین مرزا اور امیر علی شیر کے عہد میں گزرا ہے - مگر میں کہتا ہوں کہ ان کے دربار

میں یہ لہر بہر دریائی سخاوت کی کجا - کئی شاعروں کو اشرفیوں میں تلوا دیا - اسکی سخاوتوں کے کارنامے اکثر لطیفوں اور حکایتوں کے رنگ و بو میں محفلوں اور جلسوں پر پھول برساتے ھیں - میں بھی اس کے گلدستوں سے دربار اکبری کو سجاؤں گا - شعرا نے جتنے قصیدے اُس کی تعریف میں کہے ھیں اکبر ہی کی تعریف میں کہے ہوں تو کہے ہوں - اور اسنے بھی انہیں لاکھوں انعام دئے - گنوان پنڈت - کوئی کبیشور - بلکه بھاٹ هزاروں اشلوک - دھڑے - کبت کهه کر لاتے تھے - اور هزاروں لیجاتے تھے انعام میں بھی وہ وہ نزاکت و لطافت کے انداز دکھا گیا - که آینده دینے والوں کے هاتھ کاٹ ڈالے ھیں - ملا عبدالباقی نے کل قصائد صحیح البیاض جمع کرکے ایک ضخیم کتاب بنا دی ھے - اِس میں هر شاعر کا حال اُسکے قصیدے کے ساتھه لکھا ھے - اور یه بھی لکھا ھے - که کس تقریب میں یه قصیده کہا گیا تھا - اور انعام کیا پایا تھا - اس اکثر جزئیات تاریخی حالات کے معلوم ھوتے ھیں ماشر رحمی اسکا نام ھے -

لطیفهــــ خانخانان کا دسترخوان نہایت وسیع ھوتا تھا - کھانے رنگا رنگ کے تکلفات سے رنگین اور اس کے فیض سخاوت کی طرح اھل عالم کے لئے عام تھے - جب دسترخوان پر بیٹھتا تھا - مکانوں میں درجه بدرجه صدھا بندگان خدا بیٹھتے تھے - اور لذت سے کامیاب ھوتے تھے - اکثر کھانوں کی رکابیوں میں - کسی میں کچھ روپیے - کسی میں

اشرفیاں رکھدیتے تھے - جو جسکے نوالہ آئے - اُسکی قسمت آج تک وہ مثل زبانوں پر ہے - خانخانان جسکے کھانے میں بتانا -

لطیفہ ــــ ایک دفعہ پیش خدمتوں میں کوئی نیا شخص ملازم ہوا تھا - دستر خوان آراستہ ہوا نعمتہائے گونا گوں چنی گئیں - جب خان خانان آکر بیٹھا - سیکڑوں امرا اور صاحب کمال موجود تھے - کھانے میں مصروف ہوئے - اُس وقت وہی پیش خدمت خانخانان کے سر پر رومال ہلا رہا تھا - یکایک رونے لگا - سب حیران ہوگئے - خانخانان نے حال پوچھا - عرض کی کہ میرے بزرگ صاحب امارت اور صاحب دستگاہ تھے - میرے باپ کو بھی مہمان نوازی کا بہت شوق تھا - مجھ پر زمانے نے یہ وقت ڈالا - اِس وقت آپ کا دستر خوان دیکھ کر وہ عالم یاد آگیا - خانخانان نے بھی افسوس کیا - ایک مرغ بریان سامنے رکھا تھا - اُس پر نظر جا پڑی - پوچھا - بتاؤ - مرغ میں کیا چیز مزے کی ہوتی ہے - اس نے کہا پوست - خانخاناں نے کہا - سچ کہتا ہے - لطف و لذت سے باخبر ہے - مرغ کی کھال اُتار کر پکاؤ - تو کیسا ہی تکلف سے پکاؤ وہ لذت اور نمکینی نہیں رہتی - بہت خوش ہوا - دسترخوان پر بٹھا لیا - دل جوئی کی - اور مصاحبوں میں داخل کردیا -

دوسرے دن دستر خوان پر بیٹھے - تو ایک اور خدمتگار رونے لگا - خانخانان نے اُس سے بھی سبب پوچھا - اس نے

جو سبق کل پڑھا تھا - وہ ھی سنا دیا - خآنخأنان ھنسا - اور ایک اور جانور کا نام لیکر پوچھا - کہ بتاؤ - اس میں کیا چیز مزے کی ھوتی ھے - اس نے کہا پوست - سب لعنت ملامت کرنے لگے - خانخانان بہت ھنسا - اسے کچھ انعام دے کر کسی اور کارخانے میں بھیجدیا - کہ ایسا شخص حضور کی خدمت کے قابل نہیں - ایک دن ملازموں کی چٹھیاں دستخط کر رھے تھے - کسی پیادہ کی چٹھی پر ھزار دام کی جگہ ھزار روپئے لکھدئے - دیوان نے عرض کی - کہا کہ اب جو قلم سے نکل گیا - أسکی قسمت - ایک دن نظیری نیشاپوری نے کہآ - کہ نواب میں نے لاکھہ روپیہ کا ڈھیر کبھی نہیں دیکھا کہ کتنا ھوتا ھے - انھوں نے خزانچی کو حکم دیا - اسنے سامنے انبار لگا دیا - نظیری نے کہا - شکر خدا آپکی بدولت آج لاکھہ روپیے دیکھے - خانخانان نے کہا - اللہ جیسے کریم کا اتنی بات پر کیا شکرنا - روپیے اُسی کو دیدئے - اور کہا - اب شکر الہی کرو تو ایک بات بھی ھے - جہانگیر بادشاہ ایک دن تیر اندازی کر رھا تھا - کسی بھاٹ کی باوہ گوئی پر خفا ھوکر حکم دیآ - کہ اسے ھاتھی کے پاؤں تلے پامال کریں - خانخانان پاس کھڑا تھا - فرقہ مذکور کی حاضر جوابی اسکی زبان درازی سے بھی بڑھی ھوئی ھرتی ھے - اس نے عرض کی - حضور ذرۂ ناچیز کے لئے ھاتھی کیا کریگا - ایک چوھے چڑھے کا پاؤں بھی بہت ھے - ھاتھی کا پاؤ خانخانان کے لئے چاھئے - کہ بڑا آدمی ھے - جہانگیر نے ان کی طرف دیکھا کہ اس لفظ

نے دل پر کیا اثر کیا - پوچھا کیا کہتے ہو - انھوں نے کہا کچھ نہیں - داروغہ سے پوچھا کہ تو بتا دے - خانخانان خود بولے - کہ حضور کے تصدق سے خدا نے مجھہ ناچیز کو ایسا کیا - کہ یہ بڑا آدمی سمجھتا ھے - میں نے اُس وقت شکر خدا کا کیا - اور کہا کہ جب اسکی خطا معاف ہو تو پانچ ہزار روپیے دیدینا حضور کی جان و مال کو دعا دے گا -

اھل ھند کا خیال ھے کہ سورج ہر شام کوہ سمیر کے پیچھے چلا جاتا ھے - اور وہ ایک سونے کا پہاڑ ھے - انھوں نے یہ بھی فرض کیا ھے کہ چکوا چکوی دن کو ساتھ رہتے ھیں - رات کو دربار کے وار پار الگ الگ جا بیٹھتے ھیں - اور رات بھر جاگ کے کاٹتے ھیں - ایک بھاٹ نے چکوا چکوی کی زبانی کبت کہا - جس کا خلاصہ یہ ھے کہ خدا کرے خانخانان سمند فتوحات سمیر پہاڑ تک جا پہنچے - وہ بڑا سخی ھے سب بخش دے گا - پھر ھمیشہ دن رہے گا - اور ھم تم موج کریں گے - جب یہ کبت پڑھا گیا تمام اھل دربار نے تعریف کی کہ نیا مضمون ھے - خانخانان نے پوچھا کہ پنڈت جی تمہاری عمر کیا ھے - عرض کی ۳۵ برس - کل سو برس کی عمر لگائی گئی - اور پانچ روپیہ روز کے حساب سے ٦٥ برس کا روپیہ جو کچھہ ھوا خزانہ سے دلوا دیا - ایک بھوکا برھمن خانخانان کے دروازے پر آیا - دربان نے روکا - اُس نے کہا کہدو آپ کا ھم زلف ملنے آیا ھے - اور اس کی بی بی ساتھ

ہے۔ خدمت گار نے عرض کی اُسے بلا یا پاس بیٹھایا اور رشتہ کا سلسلہ کھولا اُس نے کہا کہ بپتا اور سنپتا دو بہنیں ہیں پہلی میرے گھر گئی دوسری آپ کے گھر آئی ہے۔ آپ اور میں ہمزلف نہیں تو اور کیا ہیں؟ نواب بہت خوش ہوا۔ خلعت دیا خاصہ کے گھوڑے پر طلائی ساز سجوا کر سوار کیا۔ اور بہت کچھ نقد و جنس دیکر رخصت کیا۔

ایک دن دربار میں بیٹھا تھا۔ اہالی موالی۔ اہل غرض۔ اہل مطلب حاضر تھے۔ ایک غریب شکستہ حال آ کر بیٹھا۔ اور جوں جوں جگہ پا تا گیا۔ پاس آتا گیا۔ قریب آیا تو ایک توپ کا گولہ بغل سے نکال کر لڑھکایا کہ خانخانان کے زانو سے آکر لگا۔ نوکر اس کی طرف بڑھے اس نے روکا اور حکم دیا کہ گولے کے برابر سونا تول دو۔ مصاحبوں نے پوچھا۔ کہا یہ قول شاعر کو کسوٹی پر لگاتا ہے۔

آهن که بپارس آشنا شد فی الحال به صورت طلا شد

ایک دفعہ دربار شاہی سے برھانپور کو رخصت ہوئے۔ پہلی ہی منزل پر ڈیرے تھے۔ قریب شام سرا پردہ کے سامنے شامیانہ لگا ہوا۔ فرش بچھا ہوا آپ نکل کر کرسی پر بیٹھے مصاحبوں ملازموں سے دربار آراستہ ایک آزاد سامنے سے گزرا۔ اور پکار کر کہتا چلا۔

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

منعم خاں بھی ان کا خطاب ہو چکا تھا۔ اور پہلے منعم خاں کفایت

شعار تھے۔ انھوں نے خزانچی کو حکم دیا کہ لاکھہ روپئے دیدو۔ فقیر دعائیں دیتا چلا گیا۔ دوسری منزل میں اسی وقت پھر باہر نکل کر بیٹھے۔ فقیر پھر سامنے سے نکلا۔ اور وہی شعر پڑھا۔ انھوں نے پھر کہدیا کہ لاکھہ روپیہ دیدو۔ غرض وہ سات دن برابر اس طرح آتا رہا اور لیتا رہا۔ پھر آپ ہی دل میں سمجھا کہ یہ انعام آج تک کسی سے نہیں پایا۔ امیر ہے خدا جانے کبھی طبیعت حاضر نہ ہو۔ خفا ہوکر کہے کہ سب چھین لو۔ زیادہ طمع اچھی نہیں اسی کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ آٹھویں دن خانخانان پھر اسی طرح نکل کر بیٹھے۔ معمول سے زیادہ وقت گزرا دربار برخاست نہ کیا۔ شام ہوئی تو کہنے لگے کہ آج ہمارا وہ فقیر نہ آیا۔ خیر برہان پور آگرہ سے ۲۷ منزل ہے ہم نے تو پہلے دن ۲۷ لاکھہ روپیہ خزانہ سے منہا کر دیا تھا۔ تنگ حوصلہ تھا خدا جانے دل میں کیا سمجھا۔

خانخانان نہایت حسین تھا اس کی خوبیاں اور محبوبیاں سن کر ایک عورت کو اشتیاق پیدا ہوا وہ بھی حسین تھی اس نے اپنی تصویر کھچوائی اور ایک بڑھیا کے ہاتھ بھیجی وہ خلوت میں آکر خانخانان سے ملی اور مطلب کو اس پیرایہ میں ادا کیا کہ ایک بیگم کی یہ تصویر ہے، انھوں نے پیغام دیا ہے کہ آپ کی تعریفیں سن سن کر میرا جی بہت خوش ہوتا ہے۔ ارمان یہ ہے کہ تم ہی جیسا ایک فرزند میرے ہاں ہو تم بادشاہ کی آنکھیں ہو، زبان ہو، دست و بازو ہو۔ نہیں یہ بات

کچھ مشکل نہیں مگر یہ مشکل ھے کہ خدا جانے اولاد ہو یا نہ ہو۔ اور ہو تو کیا خبر ھے۔ بیٹا ھی ہو اور وہ زندہ بھی رھے پھر خدا جانے ایسی صورت ہو یا نہ ہو یہ بھی ہو تو اقبال پر کس کا زور ھے خدا چاھے دے خدا چاھے نہ دے اگر انھیں مجھ جیسے بیٹے کی آرزو ھے تو کہنا تم ماں میں بیٹا۔ خدا کا شکر کرو جس نے پلا پلایا بیٹا تمھیں دیا۔ ماں کو اس قدر روپیہ مہینہ دیتا ہوں وھی تمھیں بھیجا کروں گا۔

ایک شخص خانخانان کے پاس آیا اور یہ قطعہ لکھکر دیا۔

اے خان جہاں خانخانان دارم صنمے کہ رشک چین است
گر جان طلبد مضائقہ نیست زرمی طلبد سخن دریں است

پوچھا کہ وہ کیا مانگتے ھیں۔ کہا لاکھ روپیہ۔ حکم دیا کہ سوا لاکھ دیدو۔

ایک دن خانخانان کی سواری چلی جاتی تھی۔ ایک شکستہ حال غریب نے ایک شیشی میں بوند پانی ڈالکر دکھایا اور اُسے جھکایا۔ جب پانی گرنے کو ہوا، تو شیشی کو سیدھا کر دیا اس کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ اشراف خاندانی ھے۔ خانخانان اُسے ساتھ لے آئے اور انعام و اکرام دیکر رخصت کیا لوگوں نے پوچھا کہا کہ تم نہیں سمجھے، اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک بوند آبرو رھی ھے اور اب یہ بھی گرا چاھتی ھے۔

ایک دن سواری میں کسی نے انھیں ایک ڈھیلا مارا سپاہی دوڑ کر پکڑ لائے۔ انھوں نے کہا ھزار روپیہ دیدو سب

حیران ہو گئے - اور عرض کی کہ جو نالائق قابل دشنام بھی نہ ہو، اسے انعام دینا آپ کا ہی کام ہے، انہوں نے کہا لوگ پھلے ہوے درخت پر پتھر مارتے ہیں جو میرا پھل ہے وہ مجھے دینا واجب ہے ایک دن سواری سے اترتے تھے-ایک بڑھیا برابر آئی- ایک توا اُس کے بغل میں تھا - نکال کر اُن کے بدن سے ملنے لگی - نوکر ہاں ہاں کر کے دوڑے - اُنھوں نے سب کو روکا - اور حکم دیا کہ اِسی کے برابر سے سونا تول دو- مصاحبوں نے سبب پوچھا کہا - یہ دیکھتی تھی - کہ بزرگ جو کہا کرتے تھے کہ بادشاہ اور اُن کے امیر پارس ہوتے ہیں یہ بات سچ ہے یا نہیں - اور اب بھی ویسے لوگ ہیں یا کوئی نہیں رہا -

خانخانان دربار چلے - ایک سوار سپاہگری کے ہتھیار لگائے سامنے آیا - اور سلام کیا - انہوں نے حال پوچھا اس نے کہا کہ نوکری چاہتا ہوں - بانکپن یہ کہ پگڑی میں دو میخیں بھی باندھی ہیں- پوچھا کہ ان میخوں کا کیا معاملہ ہے اُس نے عرض کی- کہ ایک میخ تو اسکے واسطے کہ نوکر رکھے اور تنخواہ نہ دے - دوسری اُس نوکر کے واسطے کہ تنخواہ لے اور کام چوری کرے - خانخانان نے تنخواہ مقرر کی - اور ساتھ لائے - وہ بھی دربار میں آیا - اُسکے بانکپن کے انداز کو سب دیکھنے لگے - انہوں نے اس سے پوچھا کہ انسان کی بہت سے بہت عمر ہو تو کتنی ہو - اُس نے کہا کہ عمر طبعی ۱۲۰ برس کی ہوتی ہے- انہوں نے خزانچی کو حکم دیا کہ

سپاہی کی عمر بھر کی تنخواہ بے باق کر دو - اور اس سے
کہا لیجئے - حضرت - ایک میخ کا بوجھ تو سر سے اتار
دیجئے - دوسری کا آپ کو اختیار ہے - دربار جاتے تھے -
مصور نے تصویر لا کر دی کہ ایک صاحب جمال عورت ہے -
نہا کر اُٹھی ہے - کرسی پر بیٹھی ہے - ایک طرف کو
جھکی ہوئی سر کے بال پھٹکار رہی ہے - لونڈی پاؤں دھلاتی
ہے اور جھانوا کر رہی ہے - خانخانان اُسے دیکھتے ہوئے
دربار چلے گئے - آ کر حکم دیا - کہ اِس مصور کو بلاؤ - اور
پانچ ہزار روپیہ دیدو - مصور نے عرض کی - انعام تو فدوی
جبھی لے گا - کہ جو بات حضور قابل انعام خیال فرماویں
وہ ارشاد فرماویں - سب مصاحب متوجہ ہوگئے - انھوں نے
کہا - کہ اسکے لبوں کی مسکراہٹ اور چہرہ کا انداز دیکھا -
سب نے کہا - کہ دیکھا نہایت خوب اور بہت زیبا - خانخانان
نے کہا - پاؤں کی طرف دیکھو - وہ گدگدیاں ہو رہی ہیں - اس
نزاکت و لطافت پر پانچ ہزار روپیہ کیا حقیقت ہے -
پانچ لاکھ بھی تھوڑا ہے - مصور نے کہا کہ حضور بس انعام
پالیا - اور میں آپ کا غلام ہولیا - تمام امیروں کے پاس لے
کر پھرا - ایک نے یہ نکتہ نہیں پایا - ہم لوگ قدر شناس کے
غلام ہیں - خانخانان جب مظفر پر ظفریاب ہو کر آئے - تو
بادشاہ کے لئے بہت سے عجائب و نفائس خاندیس و دکن اور
ممالک فرنگ کے لائے - ان میں عجیب تحفہ یہ تھا کہ
رائے سنگھ جھالا علاقہ گجرات کے راجہ کو حاضر کیا -

معلوم ہوا کہ یہ نو جوانی کے عالم میں برات لیکر بیاہنے گیا تھا۔
جب وہاں سے خوشی کے نقارے بجاتا پھرا۔ تو جسا راجہ کچھ
کے چچیرے بھائی کے ملک میں سے گزرا۔ محلوں کے پاس
برات پہنچی۔ تو پیام آیا کہ نقارے نہ بجاؤ۔ یا دور دور نکل
جاؤ اور مرد ہو تو تلوار نکالو۔ اور لڑو۔ اگرچہ سامان
ساتھ نہ تھا۔ مگر رائے سنگھ دولہا کی رائے لڑائی پر جمی۔
اور جہاں تھا وہیں تلوار کھینچکر کھڑا ہو گیا۔ جسا جھٹ
فوج لیکر آئے۔ بڑا کشت و خون ہوا۔ اور جلد میدان جنگ
سے نیستی خانہ میں داخل ہوئے۔ چھوٹا بھائی راؤ صاحب
آیا۔ وہ بھی بڑے بھائی کے پاس پہنچا۔ راجپوتوں میں رسم
ہے کہ جب جوش میں آتے ہیں۔ تو تلواریں سونت کر کود
پڑتے ہیں کہ شائد گھوڑا بے قابو ہوکر لے بھاگے۔ یا گھوڑا
زان تلے دیکھکر اپنی ہی نیت بگڑے اور جان لیکر نکل جائے۔
اس لڑائی میں طرفین کے بہادر اسی طرح جانوں سے ہاتھ اٹھا
کر میدان میں اتر پڑے تھے۔ غرض دولہا اور اُسکے رفیق
فتحیاب ہوکر موچھوں پر تاؤ دیتے۔ اپنے گھوڑوں پر آئے سپاہ
مغلوب کے پیادے جو گھوڑے لئے کھڑے تھے۔ انھیں جوش
آیا گھوڑوں کو چھوڑ کر تلواریں لیں۔ اور پھر میدان کار زار
گرم ہوا۔ ایسا بھاری رن پڑا کہ دولہا زخمی ہوکر گر پڑا۔
ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔ کسی نے کسی کو نہ پہچانا
کہ کس کی لاش کہاں رہی۔ دولہا بہت زخمی ہوا تھا۔
سانس ہی آنس باقی تھی۔ رات کو کوئی جوگی ادھر آیا۔

اور اٹھاکر اپنی مڈھر میں لے گیا - مرہم پٹی کی - خدا نے
بچا لیا - احسان کا بندہ اُسکا چیلا ہوگیا - انیس برس اسکی
خدمت کرتا اور جنگلوں میں پھرتا رہا - گھر اور گھرانے
میں سب کو یہی خیال کہ میدان میں کام آیا - کئی رانیاں ستی
ہوگئیں - دلہن رانی دل کے ست اور اُس کے خیال میں خدا
کو یاد کرتی تھی - کیونکہ مرنے کا بھی یقین نہ تھا - خانخانان
امیروں سے سوا - فقیروں اور غریبوں کے یار تھے - ان کی
سرکار میں فقیر امیر جوگی - سب برابر تھے - جوگی جی کے
بھی درشن ہوئے - اور یہ حال معلوم ہوا - گرو اور چیلے
کو دربار میں لے آئے - اکبر بھی ایسے معاملات کے مشتاق
ھی رہتے تھے - اس عجیب واردات کو سنکر بہت خوش ہوئے -
اور اتبت چیلا پھر رائے سنگھ راجہ بنکر اعزاز و اکرام کے
ساتھ اپنے ملک کو رخصت ہوئے - جب وہاں گئے تو سب
اقربا ملازم جمع ہوئے اور دیکھکر پہچانا - بڑی خوشیاں ہوئیں -
سب سے سوا رانی کہ شرم بے زبانی سے کچھ کہہ نہ
سکتی تھی - اور اپنے مالک کی یاد میں بیٹھی تھی - دیکھو
رسم کا ست تو مار چکا تھا - محبت کا ست کام کر گیا - راجہ نے
راج سنبھالا - اور خیر خواہاں دولت نے شکر الٰہی کے ساتھ
خانخانان کے شکرانے ادا کئے -

ابن الوقت کی تقریر

صاحبو! مجھکو اس طرح کے معزز جلسے میں پہلے پہل حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے اور مجھکو آپ صاحبوں کے رو برو بات کرنے کی عادت اور صلاحیت دونوں نہیں۔ مگر نوبل صاحب نے ایسی مہربانی کے ساتھ میری تقریب آپ صاحبوں سے کی ہے کہ ان کی شکر گذاری کو میں اپنا فرض موقت خیال کرتا ہوں، میں نے اپنے پندار میں کوئی کام ایسا نہیں کیا۔ جس کے واسطے نوبل صاحب یا گورنمنٹ میری احسان مند ہوں میں نے نوبل صاحب کو مردوں کے انبار میں سے اٹھایا اور اپنے گھر لے جا کر رکھا۔ لیکن اگر ایسا نہ کرتا تو میں مسلمان بلکہ انسان نہ تھا۔ پس میں نے اپنا فرض مذہبی بلکہ فرض انسانیت ادا کیا اور میں نہیں سمجھتا کہ مجھکو کسی طرح کی خاص مدح کا استحقاق حاصل ہے۔ یہ نوبل صاحب کی ذاتی شرافت اور گورنمنٹ کی فیاضی ہے کہ نوبل صاحب میرا احسان مانتے ہیں اور گورنمنٹ نے کثیر المنافع زمینداری

اور با وقعت بیش بہا ماہانے کی نوکری مجھکو عطا فرمائی ابھی تک غدر سے پوری پوری نجات حاصل نہیں ہوئی لیکن اس کی جڑ کٹ گئی ہے اور شاخ و برگ کی اگر کوشش نہ بھی کی جائے تو آپ سے آپ خشک ہوکر اور گل سڑ کر خاک میں مل جائیں گے - دنیا کا قاعدہ ہے کہ نتیجہ کے واقع ہونے کے بعد اس کے اسباب کی جستجو کی جاتی ہے لیکن مبارک ہیں وہ لوگ جو وقوع نتیجہ سے پہلے اسباب پر نظر کرتے ہیں ع مرد آخر میں مبارک بندہ ایست خیر اگروہ موقع ہم سے فوت ہوگیا تاہم بعد الوقوع اسباب غدر کا خیال کرنا اس وقت دلچسپ اور آیندہ مفید ہوگا - اخبار والوں نے اس کی چھیڑ چھاڑ شروع کردی ہے اور ہر شخص جو کچھ اس کے منہ میں آتا ہے کہتا ہے لیکن اگر گورنمنٹ جس کو واقعی اسباب غدر کا جاننا سب سے زیادہ ضروری ہے اخبار والوں کی رائے پر عمل کرے گی اور اخبار والے تو آخر اسی غرض سے خامہ فرسائی کر ہی رہے ہیں تو میں گورنمنٹ سے اور آپ صاحبوں سے معافی مانگ کر یہ بات کہتا ہوں کہ گورنمنٹ بڑا دھوکا کھائے گی اور گورنمنٹ کی خیر خواہی مجھکو اس بات کے کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ شاید وہ ویسی ہی ناواقف اور بے خبر گورنمنٹ رہے گی جیسی غدر سے پہلے تھی - سلطنت میں رعایا اور گورنمنٹ دونوں کے اغراض وابستہ یک دیگر ہیں - اگر ہندوستانیوں کو انگریزی سلطنت سے امن و آزادی کے گونا گوں فائدے پہنچے ہیں جو

فی الواقع ان کو کسی زمانے میں نصیب نہیں ہوے تو اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انگلستان اسی سلطنت کی بدولت مالا مال ہو گیا ہے اور اسی سلطنت کے برتے پر اس نے تمام یورپ کی سلطنتوں کی کنی دبائی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض احمق ہندوستانی اسی کو انگلستان کا بڑا مفاد سمجھتے ہوں کہ انگریز بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں ۔ یہ تو ان فائدوں کا پاسنگ بھی نہیں ۔ بات یہ ہے کہ انگلستان ہنر مندی اور صناعی کا گھر ہے اور اس کے تمول کا بڑا ذریعہ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں تنہا ذریعہ تجارت ہے ۔ سو ہندوستان کی سلطنت نے انگلستان کی تجارت کو ہزارہا گونہ تو اب بڑھا کر رکھا ہے اور کوئی کہہ نہیں سکتا کہ آیندہ اس میں کہاں تک افزائش ہو گی پس اگر اغراض کا موازنہ کریں تو میرے نزدیک انگلستان کی اغراض کا پلہ جھکتا رہے گا۔ یہ سبب ہے کہ انگریزوں کو غدر کا زیادہ فکر ہونا چاہئے۔ میں اس کو انگریزوں کی اقبال مندی سمجھتا ہوں کہ حسن اتفاق سے اس وقت کوئی معاصر سلطنت ہندوستان کی دعوےدار نہیں ہوئی اور اہل ہند میں اس سرے سے اُس سرے تک کسی فرد بشر میں سلطنت کی صلاحیت نہ تھی ۔ اور ہندوستان کی مختلف اقوام میں اتفاق کا رنگ پیدا ہونے نہیں پایا تھا ۔ انگریزوں نے اس ملک کو بہ زور شمشیر فتح کیا اور بہ زور شمشیر اس پر قابض رہے اور بہ زور شمشیر غدر کو بھی فرد کر دیا مگر زور شمشیر رعایا کے جسموں کو مسخر کر سکتا ہے نہ دلوں کو ۔ یہ ملک صدہا بلکہ

ہزارہا برس سے شخصی سلطنتوں کا محکوم رہا ہے اور یہاں کی رعایا نے ابھی تک انگریزی سلطنت کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اور یہ لوگ حکام ضلع کو بادشاہ کا اوتار خیال کرتے ہیں پس اس ملک کے عہدہ داران انگریزی کے ذمہ دوسرے فرائض خدمت کے علاوہ ایک بڑا ضروری فرض مزید یہ ہے کہ ہر وقت اپنے تئیں ملکہ کا قائم مقام سمجھکر لوگوں کے ساتھ اُسی طرح کا برتاؤ کریں جو ملکہ کے لئے زیبا ہے۔ اب آپ صاحبوں میں سے ہر شخص اپنے دل میں خیال کر سکتا ہے کہ اس نے اس فرض کو کہاں تک ادا کیا ہے۔ انگریز الا ماشاءاللہ اس ملک میں ایسا روکھا مزاج بنائے رکھتے ہیں اور ہندوستانیوں کو ایسی حقارت اور نفرت سے دیکھتے ہیں کہ کوئی ان کے پاس نہیں پھٹکتا تاوقتیکہ اس کو ضرورت مجبور نہ کرے۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں محبت اور اخلاص کا ہونا ایسا دشوار ہے جیسے شیر اور بکری میں۔ میں ہندوستانیوں کے ڈفنس میں ایک لفظ نہیں کہنا چاہتا اور اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ کوئی انگریز جنٹلمین ان کی ملاقات سے کبھی محفوظ ہو نہیں سکتا لیکن اگر بروں سے پالا پڑ جائے تو تھوڑا بہت اپنی طبیعت پر بھی جبر کرنا چاہیئے ع چہ توان کرد مردمان آنند اور جو شخص اس تکلیف کا متحمل نہیں ہونا چاہتا تو اس کو ان بروں سے بھلائی کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیئے۔ غدر کے بعد سے انگریز کو یہ شکایت پیدا ہوئی ہے کہ ہندوستان نے اس کی

مدد نہیں کی - لیکن انگریز گریباں میں منہہ ڈال دیکھے کہ وہ کس احسان کس سلوک کس مہربانی کے عوض میں اس مدد کا مستحق تھا۔ وہ شاید اپنا ایک حق بھی کسی ہندوستانی پر ثابت نہیں کرسکے گا۔ اس اصول منصفانہ کو پیش نظر رکھیں تو بغاوت کی لمبی فہرست صرف ایک فرد مختصر رہ جائے گی اب رہ گئی بغاوت بہ مقابلہ سرکار، سو میں آپ صاحبوں کی خدمت میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ ہندوستانیوں کے نزدیک سرکار کوئی چیز نہیں - احسان فراموشی انسان کی نیچر یعنی تقاضائے طبیعت ہے - غدر جس کا لوگوں نے اتنا بڑا بتنگڑا بنا رکھا ہے میرے نذدیک انسانی نیچر کے ظہور سے زیادہ کچھ نہ تھا - ہر چند انگریزی عملداری سے ہندوستانیوں کو بہت سے فائدے پہنچے تھے - مگر ان کو واقعی یا ادعائی، واجب یا غیر واجب - چند در چند شکائتیں تھیں - پس اگر انہوں نے شکایتوں کے جوش میں فائدوں پر نظر نہ کی تو اس کو ضعف بشریت اور انسان کی نیچر کے نقصان کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے انگریزی اور ایشیائی حکومتوں کا طرز ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہے کہ ایک کو دوسرے سے کچھ مناسبت نہیں - سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس سے ہندوستانی خوگر تھے اپنے ہموطنوں کی حکومت کے جن کے درباروں میں ان کی رسائی بہ آسانی ہوسکتی تھی - ملک کی تمام آمدنی بادشاہ کی خاص ملکیت ہوتی تھی اور وہ اسکو بلا مزاحمت جس طور پر چاہتا تھا خرچ کرتا تھا مگر اس بدنصیب ملک کی ساری

دولت ایشائی حکومتوں میں سدا بیہودہ نمود و نمائش اور
ممنوع عیاشی میں برباد ہوئی اور اس سے متمتع ہوتے رہے
خوشامدی خور غرض بہرکیف دولت کا دریا ایک رخ کو بہتا
اور ان لوگوں کو سیراب کرتا رہا جن کی قسمتوں میں اس
سے فائدہ اٹھانا تھا۔ ہندوستانی عملداری جاکر انگریزی عملداری
کا آنا اس سے تو کسی طرح کم نہیں کہ وہ دریائے زخار
ایک سمت کو بہتے بہتے یکایک لگا بالکل سمت مخالف میں
دوسری جگہ بہنے یعنی ایک ایسی سلطنت شروع ہوئی جس
کی مثال اس ملک میں نہ دید ہے نہ شنید ۔ خلق خدا کی،
ملک وکٹور بادشاہ زادی کا، اور حکم کمپنی بہادر
کا، خلقت ایک اور اکٹھے تین تین فرمانروا اور تینوں نظر سے
پوشیدہ ۔ اپ صاحب یہاں کے لوگوں کی حیرت پر تعجب کریں
گے مگر اس میں رتی برابر مبالغہ نہیں۔ انگریزی سلطنت رعایائے
ہندوستان کے حق میں ایک پہیلی ہے جس کو اس وقت
تک اکثر عوام الناس نہیں بوجھ سکتے ۔ تبدیل سلطنت یوں
بھی کچھ آسان بات نہیں اور پھر ایسا تبدل کہ حاکم و محکوم
دونوں میں کسی طرح کی مناسبت نہیں ۔ نہ وطن ایک، نہ
زبان ایک، نہ مذہب ایک، ۔ پس ہندوستانیوں کے حق میں
سلطنت کیا بدلی گویا ساری خدائی بدل گئی۔ اگلے تمام ذریعے
معطل ۔ ساری لیاقتیں بیکار، کل تدبیرین بے اثر ۔ پس شاہی
متوسل اور متوسلوں کے متوسل کہ ان کا مجموعہ بجائے خود
ایک جم غفیر ہوگا بے آسرے اور بے سہارے ہو کر بیٹھ کر رہے

اب ہر ایک منصف مزاج آدمی خیال کر سکتا ہے کہ اس گروہ کو انگریزی عملداری سے نا خوش ہونے اور رہنے کی وجہ معقول تھی یا نہیں - پھر انگریزی عملداری اتنی پرانی ہو گئی تھی کہ جن لوگوں نے بادشاہی وقت دیکھے تھے مر کھپ چکے تھے اور چاہئے تھا کہ اس زمانے کی باتیں بھی بھول بسر جاتیں مگر ہم دیکھتے تھے تو ان کی یادگار ہر دم تازہ ہے اس وجہ سے کہ اب بھی چھوٹی بڑی محکوم اور مختار بہتیری ہندوستانی ریاستیں جگہ جگہ موجود ہیں اور ان میں بلا کم و کاست ایشائی حکومتوں کے نمونے باقی ہیں - اگر سرکار انگریزی کو اپنی رعایا کا خوش دل رکھنا منظور ہے تو چار دانگ ہندوستان میں اِس سرے سے اُس سرے تک ایک طرح کا انتظام ہونا چاہئے - مجھ کو بیرون شہر کسی ہندوستانی ریاست میں رہنے یا نوکری کرنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر لوگوں کے کہے سنے سے اخبار سے بعض ریاستوں کے عام حالات معلوم ہیں - اور دہلی کا قلعہ بھی بجائے خود چھوٹی سی ریاست تھی اور میں پشتہا پشت سے اسی شہر کا رہنے والا اور سرکار شاہی کا متوسل ہوں اور شہر اور قلعہ دونوں کا کوئی حال مجھ سے مخفی نہیں، اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اہل شہر اور اہل قلعہ کی زندگی ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھی کہ قلعہ ایک دوسری دنیا معلوم ہوتا تھا - جب سلطنت میں غدر کی وجہ سے اتنا بڑا انقلاب ہوا کہ ملکۂ معظمہ نے زمام حکومت اپنے دست خاص میں لی اور کمپنی کو کچھ تعلق

نہ رہا تو میں اسکو ملک کے حق میں فال نیک سمجھتا ہوں اور مجھہ کو پورا بھروسا ہے کہ گورنمنٹ کے انتظامات میں یقیناً بڑی بڑی تبدیلیاں ہونیوالی ہیں - پس اگر کوئی مجھ سے صلاح پوچھے تو میں پہلے اسی بات کو بڑی شد و مد کے ساتھہ پیش کروں گا کہ گورنمنٹ اپنے تعلقات اندرونی ایشائی گورنمنٹوں کے ساتھ درست کرے - یہ ہندوستانی ریاستیں جن کا مجموعہ، کیا رقبہ، کیا مردم شماری، کیا محاصل انگریزی سلطنت سے کم نہیں باستشنائے معدودے چند اس قدر پیٹ بھر کر خراب ہو رہی ہیں کہ انکی حالت نہ صرف انہی کے حق میں خطر ناک ہے بلکہ انگریزی طرز انتظام، انگریزی رعایا، سبھی کے حق میں - اور جب تک ان ریاستوں کی پوری پوری اصلاح نہ ہو انگریزی گورنمنٹ کو کبھی اپنے انتظام کی طرف سے مطمئن نہیں ہونا چاہئے - ان میں سے ایک ایک ریاست اگر اس کے انتظام میں فساد ہے انگریزی گورنمنٹ کے حق میں بغلی گونسہ ہے - فساد عظیم سے میری مراد یہی نہیں کہ رئیس اپنے تئیں سرکار انگریزی کا مد مقابل سمجھتا ہو یا نافرمانی یا عدول حکم سے گورنمنٹ کا استخفاف کرتا ہو - میں اس بات کو پکار کے کہتا ہوں کہ ہندوستانی رئیس ہندو ہو یا مسلمان آرام طلب ہوگا، کاہل ہوگا، احمق ہوگا، جاہل ہوگا، عیاش ہوگا، غافل ہوگا، مسرف ہوگا، خرچ آمد سے فاضل ہوگا، غرض اس میں سب طرح کے جنوں ہوں گے مگر نہیں ہوگا تو ایک جنوں بغاوت - سرکار نے اپنی فوجی

طاقت کو ہندوستان میں خصوصاً بعد غدر ایسے زور سے ثابت کردیا ہے جیسے آگ نے جلانے کی خاصیت کو - پس ہندوستانی رئیسوں کی طرف ایسا خیال بالکل لغو اور محض بے اصل ہے - لیکن جس چیز سے گورنمنٹ انگریزی کو ہندوستانی ریاستوں کی طرف سے میں ڈرانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اکثر ہندوستانی رئیس اپنی چند در چند نالائیقیوں اور گونا گوں بدکرداریوں کی وجہ سے ایسی خرابیاں کررہے ہیں کہ اول تو خود انہی کی رعایائے نامہذب و ناشائستہ سے انگریزی گورنمنٹ کو ہمیشہ خائف رہنا چاہئے دوسرے ان ریاستوں کے برے نمونے دیکھ کر رعایائے انگریزی کی طبیعتیں بگڑی چلی جاتی ہیں - جسد سلطنت میں یہ ریاستیں گویا برص کے چٹھے ہیں - کیوں کر اطمینان ہوسکتا ہے کہ ان چٹھوں کا فساد دوسرے اعضائے صحیح تک متعدی نہیں ہوگا؟ اگر میری تقریر سے ایسا مستنبط ہوا ہو کہ میں ان ریاستوں کے ضبط کرنیکی رائے رکھتا ہوں تو مجھہ سے بڑھکر قوم و ملک کا کوئی دشمن نہیں لیکن یہ میری رائے ضرور ہے کہ ان ریاستوں کا نا منتظم حالتوں میں رہنے دینا ویسا ہی ظلم ہے جیسا ان کا ضبط کرنا - جب انگریزی گورنمنٹ اپنے تئیں ان شکمی گورنمنٹوں کا مربی اور حامی اور محافظ سمجھتی ہے اور فی الواقع وہ ہے بھی تو ان کی اصلاح اسکا فرض لازمی ہے - لیکن انگریزی گورنمنٹ نے اس فرض کے ادا کرنے میں کماحقہ اہتمام نہیں کیا - بے شبہ سرکار کی طوف سے ایجنٹ یا ریزیڈنٹ کے نام سے ایک عہدہ دار

ہر ایک ہندوستانی ریاست پر مسلط ہے مگر اس کو ریاست
کے اندوونی انتظام میں حکماً کچھ مداخلت نہیں - وہ اتنی ہی
بات کی نگرانی رکھتا ہے کہ ریاست میں سرکار انگریزی کا
رعب و داب اچھی طرح قائم رہے اور کوئی عام بدنظمی نہ
ہو - اگر ایک باپ اولاد کے ساتھ وہ کرے جو انگریزی
گورنمنٹ نے ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ اب تک کیا
ہے تو ہم ایسے باپ کی مدح نہیں کرسکتے - جتنا اس نے کیا
اچھا کیا مگر اس کو اس سے بہت زیادہ کرنا چاہئے تھا -
مہذب دنیا کی نظر میں انگریزی گورنمنٹ کبھی من حیث المجموع
منتظم نہیں سمجھی جائیگی تاوقتیکہ اس کی تمام شکمی
گورنمنٹیں اسی طرح منتظم نہ ہوں جیسے اس کا اپنا علاقہ -
انگریزی گورنمنٹ کبھی بیرونی دشمنوں کے خدشے سے خالی نہیں
رہتی اور اس کو خالی رہنا چاہئے بھی نہیں لیکن تعجب کی
بات ہے کہ میں اس کو شکمی ہندوستانی ریاستوں کی طرف
سے کبھی خدشہ کرتے ہوئے نہیں پاتا حالانکہ اگر یہ ریاستیں
نامنتظم رہیں جیسا کہ اب ہے تو یہ اندرونی دشمن بیرونی
دشمن سے بہت زیادہ خطرناک ہیں -

شعر و شاعری

شعر کی ماہیت

شعر کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں مگر کوئی تعریف ایسی نہیں جو اس کے تمام افراد کو جامع ہو اور مانع ہو دخول غیر سے البتہ لارڈ مکالے نے جو کچھ شعر کی نسبت لکھا ہے گو اس کو شعر کی تعریف نہیں کہا جا سکتا لیکن جو کچھ شعر سے آج کل مراد لی جاتی ہے اُس کے قریب قریب ذہن کو پہنچا دیتا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ شاعری جیسا کہ دو ہزار برس پہلے کہا گیا تھا ایک قسم کی نقالی ہے جو اکثر اعتبارات سے مصوری بت تراشی اور ناٹک سے مشابہ ہے مگر مصور بت تراش اور ناٹک کرنے والے کی نقل شاعر کی نسبت کسی قدر کامل تر ہوتی ہے شاعر کی گل کس چیز سے بنی ہوئی ہے؟ الفاظ کے پرزوں سے اور الفاظ ایسی چیز ہیں کہ اگر ہومر اور ڈینٹے جیسے صناع بھی ان کو استعمال کریں تو بھی سامعین کے متخیلہ میں اشیائے خارجی کا ایسا صحیح اور ٹھیک نقشہ نہیں اتار سکتے جیسا

موقلم اور چھینی کے کام دیکھکر ہمارے خیال میں اترتا ھے لیکن شاعری کا میدان وسیع اس قدر ھے کہ بت تراشی مصوری اور ناٹک یہ تینوں فن اُسکی وسعت کو نہیں پہنچ سکتے۔ بت تراش فقط صورت کی نقل اتار سکتا ھے ۔ مصور صورت کے ساتھ رنگ کو بھی جھلکا دیتا ھے اور ناٹک کرنے والا بشرطیکہ شاعر نے اس کے لئے الفاظ مہیا کر دیئے ہوں صورت اور رنگ کے ساتھ حرکت بھی پیدا کردیتا ھے مگر شاعری باوجودیکہ اشیائے خارجی کی نقل میں تینوں فنوں کو کام دے سکتی ھے اُس کو تینوں سے اس بات میں فوقیت ھے کہ انسان کا بطون صرف شاعری ھی کی قلمرو ھے ۔ نہ وہاں مصوری کی رسائی ھے نہ بت تراشی کی اور نہ ناٹک کی۔ مصوری اور ناٹک وغیرہ انسان کے خصائل یا جذبات اس قدر ظاہر کر سکتے ھیں جسقدر کہ چہرہ یا رنگ اور حرکت سے ظاہر ہو سکتے ھیں اور یہ بھی ھمیشہ ادھورے اور نظر فریب نمونے اُن کیفیات کے ہوتے ھیں جو فی الواقع انسان کے بطون میں موجود ھیں۔ مگر نفس انسانی کی باریک گہری اور بوقلموں کیفیات صرف الفاظ ھی کے ذریعہ سے ظاہر ہو سکتی ھیں۔ شاعری کائنات کی تمام اشیائے خارجی اور ذہنی کا نقشہ اتار سکتی ھے۔

عالم محسوسات ۔ دولت کے انقلابات ۔ سیرت انسانی معاشرت نوع انسانی تمام چیزیں جو فی الحقیقت موجود ھیں۔ اور تمام وہ چیزیں جن کا تصور مختلف اشیاء کے اجزاء کو ایک دوسرے

سے ملا کر کیا جا سکتا ھے سب شاعری کی سلطنت میں محصور ھیں۔ شاعری ایک سلطنت ھے جسکی قلمرو اُسی قدر وسیع ھے جس قدر خیال کی قلمرو ، ایک اور محقق نے شعر کی تعریف اس طرح کی ھے کہ جو خیال ایک غیر معمولی اور نرالے طور پر لفظوں کے ذریعہ سے اس لئے ادا کیا جائے کہ سامع کا دل اس کو سن کر خوش یا متاثر ھو وہ شعر ھے خواہ نظم میں ھو اور خواہ نثر میں ، مذکورہ بالا تقریروں کا مطلب زیادہ دلنشیں کرنے کے لئے ھم اس مقام پر چند مثالیں ذکر کرنی مناسب سمجھتے ھیں۔

۱۔ فردوسی کہتا ھے :۔

بمالید چاچی کمان را بدست
به چرم گوزن اندر آوردشت
ستون کرد چپ را و خم کرد راست
خردش از خم چرخ چاچی نجاست

ان دونوں شعروں میں رستم کی وہ حالت دکھائی ھے جب کہ وہ اشکبوس سے لڑنے کے لئے پیادہ میدان کار زار میں گیا ھے۔ اور اُس پر وار کرنے کے لئے کمان میں تیر جوڑا ھے۔ ظاھر ھے کہ ان شعروں کے مضمون کو اگر ایک غیر شاعر معمولی طور پر بیان کرتا تو صرف اس قدر کہنا کافی تھا کہ رستم نے کمان کے چلہ میں تیر جوڑا لیکن اس بیان میں اس حالت کی جبکہ وہ تیر چلانے کے لئے کمان تانے کھڑا تھا نقل مطلق نہیں پائی جاتی البتہ جو اسلوب فردوسی نے اس

کے بیان میں اختیار کیا ہے اس میں جہاں تک کہ الفاظ مساعدت کرسکتے تھے اس حالت کی کافی طور پر نقل اتاری گئی ہے لیکن چونکہ ایک ایسی حالت ہے جو آنکھ سے محسوس ہو سکتی ہے اس لئے اس کو ایک بت تراش یا ایک مصور فردوسی کی نسبت زیادہ واضح اور زیادہ نمودار صورت میں ظاہر کر سکتا ہے۔

۲۔ سعدی شیرازی :-

چنان قحط سالے شد اندر دمشق

که یاران فراموش کردند عشق

اس شعر میں دمشق کے کسی قحط کا وہ عالم بیان کیا ہے جو وہاں کے باشندوں پر طاری تھا۔ اس مضمون کو ایک غیر شاعر اس سے زیادہ بیان نہیں کر سکتا کہ خلقت بھوکی پیاسی مر رہی تھی یا اناج اور پانی نایاب تھا۔ یا اور اسی قسم کی معمولی باتیں جو قحط کے زمانہ میں عموماً پیش آتی ہیں لیکن منتہائے سختی قحط کی تصویر جن لفظوں میں کہ سعدی نے کھینچی ہے ایسے معمولی بیانات سے ہرگز نہیں کھچ سکتی۔ اور چونکہ یہ ایسی کیفیت ہے جو محسوس نہیں ہو سکتی اس لئے شاعر کے سوا مصور اور بت تراش دونوں اس کی نقل اتارنے سے عاجز ہیں۔ البتہ ایکٹر ایسا تماشہ دکھانے سے کسی قدر عہدہ برآ ہو سکتا ہے بشرطیکہ شاعر نے اس کے لئے کافی الفاظ مہیا کئے ہوں۔

۳۔ ابن دراج اندلسی ایک قصیدہ میں اپنے شیر خوار بچہ کی

وہ حالت جبکہ وہ خود گھر والوں سے رخصت ہو کر کہیں دور جانے والا ہے اور بچہ اس کے منہ کو تک رہا ہے بیان کرتا ہے :-

عی بمر جوع الخطاب و لحظہ
بموقع اھواء النفوس خبیر

یعنی وہ بات کا جواب دینے سے تو عاجز ہے مگر اس کی آنکھ اُن اداؤں سے واقف ہے جو دلوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے - اس شعر میں استاد نے ایک محض وجدانی کیفیت کی تصویر کھینچی ہے جس کی محاکات زمانۂ حال کے مصور بت تراش اور ایکٹر بھی بلا شبہ کسی قدر کر سکتے ہیں - لیکن نہ ایسی جیسی کہ شاعر نے کی ہے - نیز شاعر کے سوا کسی کو یہ اسلوب بیان ہرگز نہیں سوجھ سکتا - کیونکہ جس مطلب کو اس نے اس پیرائے میں بیان کیا ہے اُسکا ماحصل صرف اسقدر ہے کہ رخصت ہوتے وقت جو وہ میری طرف دیکھتا تھا اُس پر بے اختیار پیار آتا تھا - اس معمولی بات کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے کہ وہ شیر خوار بچہ جس کے منہ میں بول تک نہ تھا اُسکی آنکھ ایک ایسے بھید سے واقف تھی جس سے اکثر بڑے بڑے عاقل اوز دانشمند واقف نہیں ہوتے یعنی یہ کہ کسطرح اوروں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں -

٤- نظیری نیشاپوری :-

بہ زیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را
نوا گران نخوردہ گزند راچہ خبر

فصل بہار میں پھولوں کے کھلنے - یا ہوا میں اعتدال پیدا

ہونے یا بدن میں دوران خون کے تیز ہو جانے سے جو نشاط اور اُمنگ بلبل کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور جس کو شعرا گل و گلشن کے عشق سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کے جوش اور ولولہ میں وہ دن بھر چہکتا رہتا ہے ۔ اس حالت اور کیفیت کو شاعر نے افعی کے کاٹے کی لہر سے تعبیر کیا ہے ۔ گو یہ تمشیل بھی اُس حالت کی اصل حقیقت ظاہر کرنے سے قاصر ہے مگر جس قدر کہ اُس حالت کا تصور ان لفظوں کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے اتنا بھی تصویر یا ناٹک کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا ۔ گویا اس کیفیت کا ظاہر کرنا مصوری بت تراشی اور ناٹک کی دسترس سے باہر ہے ۔

شاعری کے لئے کیا کیا شرطیں ضروری ہیں :

امید ہے کہ ان مثالوں سے شاعر اور غیر شاعر کے کلام میں اور نیز شعر اور مصوری میں جو فرق ہے وہ بخوبی ظاہر ہو گیا ہوگا ۔ اب ہم کو یہ بتانا ہے کہ شاعری میں کمال حاصل کرنے کے لئے کونسی شرطیں ضروری ہیں اور شاعر میں وہ کون سی خاصیت ہے جو اُس کو غیر شاعر سے تمیز دیتی ہے ۔

تخیل :

سب سے مقدم اور ضروری چیز جو کہ شاعر کو غیر شاعر سے تمیز دیتی ہے ۔ قوت متخیلہ یا تخیل ہے جس کو انگریزی میں امیجینشن کہتے ہیں ۔ یہ قوت جس قدر شاعر میں اعلی درجہ کی ہوگی اسی قدر اُسکی شاعری اعلی درجہ کی

ہو گی - یہ وہ ملکہ ہے جس کو شاعر ماں کے پیٹ سے اپنے ساتھ لیکر نکلتا ہے - اور جو اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر شاعر کی ذات میں یہ ملکہ موجود ہے اور باقی شرطوں میں جوکہ کمال شاعری کے لئے ضروری ہیں کچھ کمی ہے تو وہ اس کمی کا تدارک اُس ملکہ سے کرسکتا ہے - لیکن اگر یہ ملکہ فطری کسی میں موجود نہیں ہے تو اور ضروری شرطوں کا کتنا ہی بڑا مجموعہ اُس کے قبضہ میں ہو وہ ہرگز شاعر کہلانے کا مستحق نہیں ہے - یہ وہ طاقت ہے جو شاعر کو وقت اور زمانہ کی قید سے آزاد کرتی ہے اور ماضی و استقبال کو اُس کے لئے زمانہ حال میں کھینچ لاتی ہے - وہ آدم علیہ السلام اور جنت کی سرگذشت اور حشر و نشر کا بیان اس طرح کرتا ہے کہ گویا اس نے تمام واقعات اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں - اور ہر شخص اس سے ایسا ہی متاثر ہوتا ہے جیسا کہ ایک واقعی بیان سے ہونا چاہیئے - اُس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ وہ جن اور پری عنقا اور آب حیوان جیسی فرضی اور معدوم چیزوں کو ایسے معقول اوصاف کے ساتھ متصف کرتا ہے کہ ان کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے - جو نتیجے وہ نکالتا ہے گو وہ منطق کے قاعدوں پر منطبق نہیں ہوتے لیکن جب دل اپنی معمولی حالت سے کسی قدر بلند ہو جاتا ہے تو وہ بالکل ٹھیک معلوم ہوتے ہیں - مثلاً فیضی کہتا ہے -

سخت ست سیاہیٔ شب من   لختے ز شب ست کوکب من

اس پر منطقی قاعدے سے یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ رات کی تاریکی سب کے لئے یکساں ہوتی ہے پھر ایک خاص شخص کی رات سب سے زیادہ تاریک کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور تمام کواکب ایسے اجرام ہیں جن کا وجود بغیر روشنی کے تصور میں نہیں آسکتا - پھر ایک خاص کوکب ایسا مظلم اور سیاہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اُسکو کالی رات کا ایک ٹکرا کہا جا سکے - مگر جس عالم میں شاعر اپنے تئیں دکھانا چاہتا ہے وہاں یہ سب ناممکن باتیں ممکن بلکہ موجود نظر آتی ہیں - یہی وہ ملکہ ہے جس سے بعض اوقات شاعر کا ایک لفظ جادو کی فوج سامنے کھڑی کردیتا ہے - اور کبھی وہ ایک ایسے خیال کو جو کئی جلدوں میں بیان ہو سکے ایک لفظ میں بیان کردیتا ہے -

تخیل کی تعریف

تخیل یا امیجینیشن کی تعریف کرنی بھی ایسی ہی مشکل ہے جیسی کہ شعر کی تعریف مگر من وجہ اسکی ماہیت کا خیال ان لفظوں سے دل میں پیدا ہوسکتا ہے یعنی وہ ایک ایسی قوت ہے کہ معلومات کا زخیرہ جو تجربہ یا مشاہدہ کے ذریعہ سے ذہن میں پہلے سے مہیا ہوتا ہے یہ اسکو مکرر ترتیب دیکر ایک نئی صورت بخشتی ہے اور پھر اسکو الفاظ کے ایسے دلکش پیرایہ میں جلوہ گر کرتی ہے جو معمولی پیرایوں سے بالکل یا کسی قدر الگ ہوتا ہے - اس تقریر سے ظاہر ہے کہ تخیل کا عمل اور تصرف جس طرح

خیالات میں ہوتا ہے اُسی طرح الفاظ میں بھی ہوتا ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات شاعر کا طریقۂ بیان ایسا نرالا اور عجیب ہوتا ہے کہ غیر شاعر کا ذہن کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا - اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی ایک چیز ہے جو کبھی تصورات اور خیالات میں تصرف کرتی ہے اور کبھی الفاظ و عبارت میں- اگرچہ اس قوت کا ہر ایک شاعر کی ذات میں موجود ہونا نہایت ضروری ہے لیکن ہمارے نزدیک اِسکا عمل شاعر کے ہر ایک کلام میں یکساں نہیں ہوتا - بلکہ کہیں زیادہ ہوتا ہے کہیں کم ہوتا ہے اور کہیں محض خیالات میں ہوتا ہے - کہیں محض الفاظ میں - یہاں چند مثالیں بیان کرنی مناسب معلوم ہوتی ہیں -

غالب دہلوی

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جام جم سے یہ مرا جام سفال اچھا ہے

شاعر کے ذہن میں پہلے سے اپنی اپنی جگہ یہ باتیں ترتیب وار موجود تھیں کہ مٹی کا کوزہ ایک نہایت کم قیمت اور ارزان چیز ہے جو بازار میں ہر وقت مل سکتی ہے اور جام جمشید ایک ایسی چیز تھی جس کا بدل دنیا میں موجود نہ تھا - اُس کو یہ بھی معلوم تھا کہ تمام عالم کے نزدیک جام سفال میں کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ جام جم جیسی چیز سے فائق اور افضل سمجھا جائے - نیز یہ بھی معلوم تھا کہ جام جم میں شراب پی جاتی تھی - اور مٹی کے کوزہ

میں بھی شراب پی جا سکتی ہے - اب قوت متخیلہ نے ان تمام معلومات کو ایک نئے ڈھنگ سے ترتیب دیکر ایسی صورت میں جلوہ گر کر دیا کہ جام سفال کے آگے جام جم کی کچھ حقیقت نہ رہی - اور پھر اس صورت موجودہ فی الذہن کو بیان کا ایک دلفریب پیرایہ دے کر اس قابل کر دیا کہ زبان اس کو پڑھ کر متلذذ اور کان اُس کو سنکر محفوظ اوز دل اس کو سمجھکر متاثر ہوسکے اس مثال میں وہ قوت جس نے شاعر کی معلومات سابقہ کو دوبارہ ترتیب دیکر ایک نئی صورت بخشی ہے وہ تخیل یا امیجنیشن ہے - اور اس نئی صورت موجودہ فی الذہن نے جب الفاظ کا لباس پہن کر عالم محسوسات میں قدم رکھا ہے اس کا نام شعر ہے - نیز اس مثال میں امیجینیشن کا عمل خیالات اور الفاظ دونوں کے لحاظ سے بمرتبۂ غایت اعلی درجہ میں واقع ہوا ہے کہ باوجود کمال سادگی اور بے ساختگی کے نہایت بلند اوز نہایت تعجب انگیز ہے -

(۲) غالب کا اسی زمین میں دوسرا شعر یہ ہے -

اُن کے آنے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

شاعر کو پہلے سے یہ بات معلوم تھی کہ دوست کے ملنے سے خوشی ہوتی ہے اور بگڑی ہوئی طبیعت بحال ہوجاتی ہے - نیز یہ بھی معلوم تھا کہ دوست کو جب تک عاشق اپنی حالت زار اور اُس کی جدائی کا صدمہ نہ جتائے دوست عاشق

کی محبت اور عشق کا پورا پورا یقین نہیں کر سکتا یہ بھی معلوم تھا کہ بعض خوشی سے دفعتاً ایسی بشاشت ہو سکتی ہے کہ رنج اور غم اور تکلیف کا مطلق اثر چہرہ پر باقی نہ رہے اب امیجینیشن نے ان تمام معلومات میں اپنا تصرف کر کے ایک نئی ترتیب پیدا کردی - یعنی یہ کہ عاشق کسی طرح اپنی جدائی کے زمانہ کی تکلیفیں معشوق پر ظاہر نہیں کرسکتا کیونکہ جب تکلیف کا وقت ہوتا ہے اس وقت معشوق نہیں ہوتا اور جب معشوق ہوتا ہے اس وقت تکلیف نہیں رہتی - اس مثال میں بھی امیجینیشن کا عمل معنی اور لفظاً دونوں طرح بدرجۂ غایت لطیف اور حیرت انگیز واقع ہوا ہے جیسا کہ ہر صاحب ذوق سلیم پر ظاہر ہے -

(۳) خواجہ حافظ کہتے ہیں :—

صبا بلطف بگو آن غزل رعنارا

که سر بکوه و بیاباں تو دادۂ مارا

اس شعر کا خلاصہ مطلب اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ہم صرف معشوق کی بدولت پہاڑوں اور جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں - ظاہر ہے کہ اس میں امیجینیشن کا عمل خیالات میں اگر ہو بھی تو نہایت خفیف اور مختصر ہوگا مگر الفاظ میں اُس نے وہ کرشمہ دکھایا ہے جس نے شعر کو بلاغت کے اعلی درجہ پر پہنچا دیا ہے - اسی قسم کے کلام کی نسبت کہا گیا ہی کہ "عبادتے کہ بمعنی برابری دارد" - اول تو صبا کی طرف خطاب کرنا جس میں یہ اشارہ ہے

که کوئی ذریعه دوست تک پیغام پہنچانے کا نظر نہیں آتا - ناچار صبا کو یہ سمجھکر پیغامبر بنایا ہے که وہ ایک جگه سے دوسری جگه جاتی ہے شائد دوست تک بھی اُسکا گزر ہوجائے - گویا شوق نے ایسا ازخود رفته کردیا ہے که جو چیز پیغامبر ہونیکی قابلیت نہیں رکھتی اُسکے ہاتھه پیغام بھیجتا ہے اور جواب کا امیدوار ہے - پھر معشوق حقیقی کو جس کی ذات بے نشان ہے - بطور استعارہ کے غزال رعنا کے ساتھه تعبیر کرنا جس سے بہتر استعارہ نہیں ہو سکتا اور پھر اُسکی طلب کو غزال رعنا کی مناسبت سے کوہ بیابان میں پھرنے سے تعبیر کرنا اور پھر باوجود ضمیر متصل کے جو که دادۂ میں موجود تھی ضمیر مخاطب منفصل یعنی لفظ 'تو' اضافه کرنا جس سے پایا جائے که تیرے سوا کوئی شے ہماری اس سرگشتگی کا باعث نہیں ہے - اور چونکه پیغام شکایت آمیز تھا اس لئے صبا سے یه درخواست کرنی که بلطف بگو یعنی نرمی اور ادب سے یه پیغام دینا که شکایت ناگوار نه گزرے یه تمام باتیں ایسی ہیں جنہوں نے ایک معمولی بات کو اس قدر بلند کردیا ہے که اعلی درجه کے باریک خیالات بھی اس سے زیادہ بلندی پر نہیں دکھائے جا سکتے -

دوسری شرط کائنات کا مطالعه :

اگرچه قوت متخیله اُس حالت میں بھی جبکه شاعر کی معلومات کا دائرہ نہایت تنگ اور محدود ہو اُسی معمولی ذخیرہ سے کچھ نه کچھ نتائج نکال سکتی ہے لیکن شاعری میں

کمال حاصل کرنیکے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ نسخۂ کائنات اور اس میں سے خاصکر نسخۂ فطرۃ انسانی کا مطالعہ نہایت غور سے کیا جائے - انسان کی مختلف حالتیں جو زندگی میں اُسکو پیش آتی ہیں اُن کو تعمق کی نگاہ سے دیکھنا - جو امور مشاہدہ میں آئیں اُن کے ترتیب دینے کی عادت ڈالنی - کائنات میں گہری نظر سے وہ خواص اور کیفیات مشاہدہ کرنے جو عام آنکھوں سے مخفی ہوں اور فکر میں مشق و مہارت سے یہ طاقت پیدا کرنی کہ وہ مختلف چیزوں سے متحد اور متحد چیزوں سے مختلف خاصیتیں فوراً اخذ کرسکے اور اس سرمایہ کو اپنی یاد کے خزانہ میں محفوظ رکھے - مختلف چیزوں سے متحد خاصیت اخذ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے مرزا غالب کہتے ہیں

بوئے گل نالۂ دل دور چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

دوسری مثال

بگذر ز سعادت و نحوست کہ مرا
ناہید بغمزہ کشت و مریخ بقہر

ناہید یعنی زہرہ کو سعد اور مریخ کو نحس مانا گیا ہے پس دونوں باعتبار ذات اور صفات کے مختلف ہیں مگر شاعر کہتا ہے کہ ان کے سعادت و نحوست کے اختلاف کو رہنے دو مجھہ پر تو اُن کا اثر یکساں ہی ہوتا ہے - مریخ قہر سے قتل کرتا ہے تو زہرہ غمزہ سے - اور متحد اشیا سے مختلف

خاصیتیں استنباط کرنے کی مثال میر ممنوں کا یہ شعر ہے -

تفاوت قامت یارو قیامت میں ہے کیا ممنون
وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

یعنی قامت معشوق اور قیامت فتنہ ہونے میں دونوں متحد ہیں مگر فرق یہ ہے کہ فتنۂ قیامت سانچے میں ڈھلا ہوا نہیں ہے اور قامت معشوق سانچے میں ڈھلا ہوا ہے -

غرضکہ یہ تمام باتیں جو اوپر ذکر کی گئیں ایسی ضروری ہیں کہ کوئی شاعر اُن سے استغناء کا دعوی نہیں کرسکتا - کیونکہ اِن کے بغیر قوت متخیلہ کو اپنی اصلی غذا جس سے وہ نشوونما پاتی ہے - نہیں پہنچتی - بلکہ اُس کی طاقت آدھی سے بھی کم رہ جاتی ہے - قوت متخیلہ کوئی شے بغیر مادہ کے پیدا نہیں کرسکتی بلکہ جو مصالح اُس کو خارج سے ملتے ہیں اس میں وہ اپنا تصرف کر کے ایک نئی شکل تراش لیتی ہے جتنے بڑے بڑے نامور شاعر دنیا میں گزرے ہیں وہ کائنات یا فطرت انسانی کے مطالعہ میں ضرور مستغرق رہے ہیں - جب رفتہ رفتہ اس مطالعہ کی عادت ہوجاتی ہے تو ہر ایک چیز کو غور سے دیکھنے کا ملکہ ہوجاتا ہے - اور مشاهدوں کے خزانے گنجینۂ خیال میں خود بخود جمع ہونے لگتے ہیں -

سروالٹر سکوٹ کی شاعری :

سروالٹر سکوٹ جو انگلستان کا ایک مشہو شاعر ہے اُس کی نسبت لکھا ہے کہ اُس کی خاص خاص نظموں میں

دو خاصیتیں ایسی ھیں جن کو سب نے تسلیم کیا ھے - ایک اصلیت سے تجاوز نہ کرنا - دوسرے ایک ایک مطلب کو نئے نئے اسلوب سے ادا کرنا - جہاں کہیں اُس نے کسی باغ یا جنگل یا پہاڑ کی فضاء کا بیان کیا ھے اُس سے معلوم ہوتا ھے کہ اُس موقع کی روح میں جو خاصیتیں تھیں سروالٹر نے وہ سب انتخاب کرلی تھیں - سروالٹر کی نظم پڑھ کر آنکھوں کے سامنے بالکل وھی سماں بندھ جاتا ھے جو پہلے خود اُس موقع کے دیکھنے سے معلوم ھوا تھا اور اب دھیان سے اتر گیا تھا - ظاھراً اُس نے ان بیانات میں قوت متخیلہ پر ایسا بھروسہ نہیں کیا کہ اصلیت کو چھوڑ کر محض تخیل ھی پر قناعت کرلیتا - کہتے ھیں کہ جب وہ روکبی کا قصہ لکھ رھا تھا ایک شخص نے اُس کو دیکھا کہ پاکٹ بک میں چھوٹے چھوٹے خود رو پھول پتے اور میوے جو وھاں اُگ رھے تھے اُن کو نوٹ کر رھا ھے - ایک دوست نے اُس سے کہا کہ اِس درد سر سے کیا فائدہ؟ کیا عام پھول کافی نہ تھے جو چھوٹے چھوٹے پھولوں کو ملاحظہ کرنے کی ضرورت پڑی - سروالٹر نے کہا ,,تمام کائنات میں دو چیزیں بھی ایسی نہیں ھیں جو بالکل یکساں ھوں،، - پس جو شخص محض اپنے تخیل پر بھروسا کر کے مذکورہ بالا مطالعہ سے چشم پوشی یا غفلت کریگا اس کو بہت جلد معلوم ھوجائیگا کہ اُس کے دماغ میں چند معمولی تشبیہوں یا تمثیلوں کا ایک نہایت محدود ذخیرہ ھے - جن کو برتتے برتتے خود اُسکا جی اُکتا جائے گا اور

سامعیں کو سنتے سنتے نفرت ہوجائیگی - جو شخص شعر کی ترتیب میں اصلیت کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور محض ہوا پر اپنی عمارت کی بنیاد نہیں رکھتا وہ اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ ایک مطلب کو جتنے اسلوبوں میں چاہے بیان کرے اُس کا تخیل اُسی قدر وسیع ہوگا جس قدر کہ اُسکا مطالعہ وسیع ہے -

تیسری شرط تفحص الفاظ :-

کائنات کے مطالعہ کی عادت ڈالنے کے بعد دوسرا نہایت ضروری مطالعہ یا تفحص ان الفاظ کا ہے جن کے ذریعہ سے مخاطب کے اپنے خیالات مخاطب کے روبرو پیش کرنے ہیں - یہ دوسرا مطالعہ بھی ویسا ہی ضروری اور اہم ہے جیسا کہ پہلا- شعر کی ترتیب کے وقت اول متناسب الفاظ کا انتخاب کرنا اور پھر اُن کو ایسے طور پر ترتیب دینا کہ شعر سے معنی مقصود کے سمجھنے میں مخاطب کو کچھ تردد باقی نہ رہے - اور خیال کی تصویر ہوبہو آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور باوجود اس کے اُس ترتیب میں ایک جادو مخفی ہو جو مخاطب کو مسخر کرلے - اس مرحلہ کا طے کرنا جس قدر دشوار ہے اُسی قدر ضروری بھی ہے کیونکہ اگر شعر میں یہ بات نہیں ہے تو اُسکے کہنے سے نہ کہنا بہتر ہے - اگرچہ شاعر کے متخیلہ کو الفاظ کی ترتیب میں ویسا ہی دخل ہے جیسا کہ خیالات کی ترتیب میں - لیکن اگر شاعر زبان کے ضروری حصہ پر حاوی نہیں ہے اور ترتیب شعر کے وقت صبر و استقلال کے ساتھ الفاظ کا تتبع اور تفحص نہیں کرتا

تو محض قوت متخیلہ کچھ کام نہیں آسکتی - جن لوگوں کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ شعر کے ذریعہ سے اپنے ہم جنسوں کے دل میں اثر پیدا کرسکتے ہیں اُن کو ایک ایک لفظ کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے - وہ خوب جانتے ہیں کہ فلاں لفظ جمہور کے جذبات پر کیا اثر رکھتا ہے اور اُس کے اختیار کرنے یا ترک کرنے سے کیا خاصیت بیان میں پیدا ہوتی ہے - نظم الفاظ میں اگر بال برابر بھی کمی رہ جاتی ہے تو وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ ہمارے شعر میں کون سی بات کی کسر ہے - جس طرح ناقص سانچے میں ڈھلی ہوئی چیز فوراً چغلی کھاتی ہے اُسی طرح اُن کے شعر میں اگر تاؤ بھاؤ میں فرق رہ جاتا ہے - معاً اُن کی نظر میں کھٹک جاتا ہے - اگرچہ وزن اور قافیہ کی قید ناقص اور کامل دونوں قسم کے شاعروں کو اکثر اوقات ایسے لفظ کے استعمال پر مجبور کرتی ہے جو خیال کو بخوبی ادا کرنے سے قاصر ہے - مگر فرق صرف اسقدر ہے کہ ناقص شاعر تھوڑی سی جستجو کے بعد اُسی لفظ پر قناعت کرلیتا ہے اور کامل جب تک زبان کے تمام کوئیں نہیں جھانک لیتا تب تک اُس لفظ پر قانع نہیں ہوتا - شاعر کو جب تک الفاظ پر کامل حکومت اور اُن کی تلاش و جستجو میں نہایت صبر و استقلال حاصل نہ ہو ممکن نہیں کہ وہ جمہور کے دلوں پر بالااستقلال حکومت کرسکے - ایک حکیم شاعر کا قول ہے کہ شعر شاعر کے دماغ سے ہتھیار بند نہیں کودتا - بلکہ خیال کی ابتدائی

ناہمواری سے لیکر انتہا کی تنقیع و تہذیب تک بہت سے مرحلے طے کرنے ہوتے ہیں جو کہ اب سامعین کو شائد محسوس نہ ہوں لیکن شاعر کو ضرور پیش آتے ہیں -

اس بحث کے متعلق چند امور ہیں جنکو فکر شعر کے وقت ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے - اول خیالات کو صبر و تحمل کے ساتھ الفاظ کا لباس پہنانا - پھر اُن کو جانچنا اور تولنا - اور ادائے معنی کے لحاظ سے اُن میں جو قصور رہ جائے اُس کو رفع کرنا الفاظ کو ایسی ترتیب سے منظم کرنا کہ صورۃ اگرچہ نثر سے ممیز ہو مگر معنی اس قدر پورے جیسے کہ نثر میں ادا ہو سکتے - شاعر بشرطیکہ شاعر ہو اول تو وہ ان باتوں کا لحاظ وقت پر ضرور کرتا ہے - اور اگر کسی وجہ سے بالفعل اُس کو زیادہ غور کرنے کا موقع نہیں ملتا تو پھر جب کبھی وہ اپنے کلام کو اطمینان کے وقت دیکھتا ہے اسکو ضرور کاٹ چھانٹ کرنی پڑتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر بڑے بڑے شاعروں کا کلام مختلف نسخوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ پایا جاتا ہے -

آمد و آورد میں فرق :

اکثر لوگوں کی یہ رائے ہے کہ جو شعر شاعر کی زبان یا قلم سے فوراً بے ساختہ ٹپک پڑتا ہے وہ اُس شعر سے زیادہ لطیف و با مزہ ہوجاتا ہے جو بہت دیر میں غور و فکر کے بعد مرتب کیا گیا ہو - پہلی صورت کا نام انہوں نے آمد رکھا ہے اور دوسری کا آورد بعضے اس موقع پر یہ مثال دیتے ہیں

کہ جو شیرہ انگور سے خود بخود ٹپکتا ہے وہ اُس شیرہ سے زیادہ لطیف و بامزہ ہوتا ہے جو انگور سے نچوڑ کر نکالا جائے مگر ہم اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے اول تو یہ مثال جو اس موقع پر دی جاتی ہے اسی سے اس رائے کے خلاف ثابت ہوتا ہے جو شیرہ انگور سے خود بخود اس کے پک جانے کے بعد ٹپکتا ہے وہ یقیناً اُس شیرہ کی نسبت بہت دیر میں تیار ہوتا ہے جو کچے یا ادھہ کچے انگور سے نچوڑ کر نکالا جاتا ہے مستثنی حالتوں کے سوا ہمیشہ وہی شعر زیادہ مقبول - زیادہ لطیف - زیادہ بامزہ - زیادہ سنجیدہ اور زیادہ مؤثر ہوتا ہے جو کمال غور و فکر کے بعد مرتب کیا گیا ہو - یہ ممکن ہے کہ شاعر کسی موقع پر پاکیزہ خیالات جو اس کے حافظہ میں پہلے سے ترتیب وار محفوظ ہوں مناسب الفاظ میں جو حسن اتفاق سے فی الفور اُس کے ذہن میں آجائیں ادا کردے - لیکن اول تو ایسے اتفاقات شاذ و نادر ظہور میں آتے ہیں - والنادر کالمعدوم - دوسرے اُن خیالات کو جو مدت سے انگور کے شیرہ کی طرح اُس کے ذہن میں پک رہے تھے کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ وہ جھٹ پٹ بغیر غور و فکر کے سر انجام ہو گئے ہیں - شعر میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک خیال دوسرے الفاظ خیال تو ممکن ہے کہ شاعر کے ذہن میں فوراً ترتیب پا جائے مگر اس کے لئے الفاظ مناسب کا لباس تیار کرنے میں ضرور دیر لگے گی -

یہ ممکن ہے کہ ایک مستری مکان کا نہایت عمدہ اور نرالا نقشہ ذہن میں فوراً تجویز کرلے مگر یہ ممکن نہیں کہ اس نقشہ پر مکان بھی ایک چشم زدن میں تیار ہو جائے ۔ وزن اور قافیہ کی اوگھٹ گھاٹی سے صحیح سلامت نکل جانا اور مناسب الفاظ کے لقخص سے عہدہ برآ ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ اگر ایک دن کا کام ایک گھنٹے میں کیا جائے گا تو وہ کام نہ ہوگا بلکہ بیگار ہوگی ۔

روما کے مشہور شاعر ورجل کے حال میں لکھا ہے کہ صبح کو اپنے اشعار لکھواتا اور دن بھر ان پر غور کرتا اور اُن کو چھانٹتا تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ "ریچھنی بھی اسیطرح اپنے بدصورت بچوں کو چاٹ چاٹ کر خوبصورت بناتی ہے" ۔

ایرسٹو شاعر جس کے کلام میں مشہور ہے کہ کمال بے ساختگی اور آمد معلوم ہوتی ہے اُس کے مسودے اب تک فریرا علاقۂ اٹلی میں محفوظ ہیں ۔ ان مسودوں کے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ جو اشعار اُس کے نہایت صاف اور سادے معلوم ہوتے ہیں وہ آٹھہ آٹھہ دفعہ کاٹ چھانٹ کرنے کے بعد لکھے گئے ہیں ۔ ملٹن بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ نہایت سخت محنت اور جانفشانی سے نظم لکھی جاتی ہے اور نظم کی ایک ایک بیت میں اُس کے سڈول ہونے سے پہلے کتنی ہی تبدیلیاں پے درپے کرنی پڑتی ہیں ۔ ایک فارسی گو شاعر بھی فکر شعر کی حالت اس طرح بیان

کرتا ھے کہ

برائے پاکئی لفظے شبے بروز آرد

که مرغ و ماهی باشند خفته او بیدار

سچ یہ ھے کہ کوئی نظم جس نے کہ استقلال کے ساتھ جمہور کے دل پر اثر کیا ھو خواہ طویل ھو خواہ مختصر ایسی نہیں ھے جو بے تکلف لکھ کر پھینک دی گئی ھو - جس قدر کسی نظم میں زیادہ بے ساختگی اور آمد معلوم ھو اسی قدر جاننا چاھئے کہ اس پر زیادہ محنت زیادہ غور اور زیادہ حک و اصلاح کی گئی ھوگی -

ابن رشیق اپنی کتاب عمدہ میں لکھتے ھیں کہ جب شعر سر انجام ھوجائے تو اُس پر بار بار نظر ڈالنی چاھئے اور جہاں تک ھوسکے اس میں خوب تنقیح و تہذیب کرنی چاھئے پھر بھی اگر شعر میں جودت اور خوبی پیدا نہ ھو تو اُس کے دور کرنے میں پس و پیش نہ کرنا چاھئے جیسا کہ اکثر شعرا کیا کرتے ھیں - انسان اپنے کلام پر اس لئے کہ وہ اس کی مجازی اولاد ھوتی ھے مفتوں اور فریفتہ ھوتا ھے - پس اگر اسکے دور کرنے میں مضائقہ کیا جائیگا تو ایک برے شعر کے سبب سارا کلام درجۂ بلاغت سے گر جائے گا -

انشاپردازی کا مدار زیادہ تر الفاظ پر ھے نہ معنی پر :

ابن خلدون اسی الفاظ کی بحث کے متعلق لکھتے

ہیں کہ انشا پردازی کا ہنر نظم میں ہو یا نثر میں محض الفاظ میں ہے ۔ معانی میں ہرگز نہیں ۔ معانی صرف الفاظ کے تابع ہیں اور اصل الفاظ میں ۔ معانی ہر شخص کے ذہن میں موجود ہیں ۔ پس اُن کے لئے کسی ہنر کے اکتساب کرنیکی ضرورت نہیں ہے ۔ اگر ضرورت ہے تو صرف اس بات کی ہے کہ ان معانی کو کس طرح الفاظ میں ادا کیا جائے وہ کہتے ہیں الفاظ کو ایسا سمجھو جیسے پیالہ ۔ اور معانی کو ایسا سمجھو جیسے پانی ۔ پانی کو چاہو سونے کے پیالہ میں بھرلو اور چاہو چاندی کے پیالہ میں اور چاہو کانچ یا بلور یا سیپ کے پیالہ میں اور چاہو مٹی کے پیالہ میں ۔ پانی کی ذات میں کچھ فرق نہیں آتا مگر سونے یا چاندی وغیرہ کے پیالہ میں اس کی قدر بڑھ جاتی ہے ۔ اور مٹی کے پیالہ میں کم ہوجاتی ہے اسی طرح معانی کی قدر ایک فصیح اور ماہر کے بیان میں زیادہ ہو جاتی ہے اور غیر فصیح کے بیان میں گھٹ جاتی ہے" ۔

مگر ہم ان کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ حضرت اگر پانی کھاری ہو یا گدلا یا بوجھل یا ادھن ہوگا ۔ یا ایسی حالت میں پلایا جائیگا جبکہ اسکی پیاس مطلق نہ ہو تو خواہ سونے یا چاندی کے پیالہ میں پلائیے خواہ بلور یا بھٹک کے پیالہ میں وہ ہرگز خوشگوار نہیں ہوسکتا اور ہرگز اس کی قدر نہیں بڑھ سکتی ۔

ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ شاعری کا مدار جسقدر

الفاظ پر ھے اس قدر معانی پر نہیں معانی کیسے ھی بلند اور لطیف ھوں اگر عمدہ الفاظ میں بیان نہ کئے جائیں گے ھرگز دلوں میں گھر نہیں کرسکتے اور ایک مبتذل مضمون پاکیزہ الفاظ میں ادا ھونے سے قابل تحسین ھوسکتا ھے - لیکن معانی سے یہ سمجھکر کہ وہ ھر شخص کے ذھن میں موجود ھیں اور اُن کے لئے کسی ھنر کے اکتساب کی ضرورت نہیں - بالکل قطع نظر کرنا ٹھیک نہیں معلوم ھوتا - اگر شاعر کے ذھن میں صرف وھی چند محدود خیالات جمع ھیں جن کو اگلے شعرا باندھ گئے ھیں یا صرف معمولی باتیں اُسکو بھی معلوم ھیں جیسی کہ عام لوگوں کو معلوم ھوتی ھیں اور اُس نے شاعری کی تکمیل کے لئے اپنی معلومات کو وسعت نہیں دی - اور صحیفۂ فطرت کے مطالعہ کی عادت نہیں ڈالی اور قوت متخیلہ کے لئے زیادہ مسالا جمع نہیں کیا - گو زبان پر اس کو کیسی ھی قدرت اور الفاظ پر کیسا ھی قبضہ حاصل ھو اُسکو دو مشکلوں میں سے ایک مشکل ضرور پیش آئے گی - یا تو اُسکو وھی خیالات جو اگلے شعرا باندہ چکے ھیں تھوڑے تغیر کے ساتھ انھیں کے اسلوب پر بار بار باندھنے پڑیں گے یا ایک ایک مبتذل اور پامال مضمون کے لئے نئے نئے اسلوب بیان ڈھونڈھنے پڑیں گے جنکا مقبول ھونا نہایت مشتبہ ھے اور نامقبول ھونا قرین قیاس -

شعر میں کس قسم کی باتیں بیان کرنی چاھئیں :

اس کے سوا معنی کے متعلق ایک اور کمال حاصل

کرنے کی ضرورت ہے - جسکو الفاظ سے کچھہ تعلق نہیں - صرف نیچر کا مطالعہ اور معلومات کا ذخیرہ جمع کر لینا ہی شاعر کا کام نہیں ہے بلکہ ہر ایک شئے کی روح میں جو خاصیتیں ہیں اُن کا انتخاب کرنا اور اُن کی تصویر کھینچنا شاعر کا کام ہے - شاعر مثلاً نباتات اور پھول اور پھل کو اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے کہ ایک محقق علم نباتات کا دیکھتا ہے - یا وہ ایک واقعۂ تاریخی پر اس حیثیت سے نظر نہیں ڈالتا جس حیثیت سے کہ ایک مؤرخ نظر ڈالتا ہے - وہ ہر ایک شئے میں سے صرف وہ خاصیتیں چن لیتا ہے جن پر قوت متخیلہ کا عمل چل سکے اور جو عام نظروں سے مخفی ہوں - جس طرح ایک نیاریا ریت میں سے چاندی کے ذرے نکال لیتا ہے جو کسی کو نہیں سوجھتے اسی طرح شاعر ہر ایک چیز اور ہر ایک واقعہ میں سے صرف ذوقیات لے لیتا ہے جن میں اس کے سوا کسی کا حصہ نہیں - اور باقی کو چھوڑ دیتا ہے مثلا سکندر کے مرنے کا حال اور اُسکے اخیر وقت کے واقعات مؤرخین نے جو کچھ لکھے ہوں سو لکھے ہوں مگر ایک مورلسٹ شاعر ان سے صرف یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ

سکندر کہ بر عالمے حکم داشت
در آن دم کہ بگذشت و عالم گذاشت
میسر نبودش کزو عالمے
ستانند و مہلت دہندش دمے

یا فصل بہار میں بلبل ہزار داستاں کے غیر معمولی

چہچہے دیکھ کر ایک خواص حیوانات کا محقق اس کے جو کچھ اسباب قرار دے سو دے مگر ایک متصوف شاعر اس کے یہ معنی بتاتا ہے

بلبلے برگ گلے خوشرنگ در منقار داشت
وندراں برگ و نواخوش نالہ ہائے زار داشت
گفتمش درعین وصل ایں نالئہ و فریاد چیست
گفت مارا جلوۂ معشوق بر ایں کار داشت

پس یہ کہنا کہ شاعری کا کمال محض الفاظ میں ہے معانی میں ہرگز نہیں۔ کسی طرح ٹھیک نہیں سمجھا جا سکتا۔

بلاغت

انیس و دبیر کے موازنہ میں یہ فقرہ ضرب المثل ہوگیا ہے کہ میر صاحب کے کلام میں فصاحت زیادہ ہے اور مرزا صاحب میں بلاغت - لیکن یہ فقرہ جس قدر زیادہ مشہور ہے اسی قدر بلکہ اُس سے. زیادہ غلط اور بے معنی ہے، بلاغت کی جو تعریف تمام کتابوں میں مذکور ہے اور جس سے کسی کو کسی قسم کا اختلاف نہیں، اُس کی رو سے، بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ کلام فصیح ہو، اس لئے فصاحت و بلاغت باہم حریف قرار دینا اجتماع النقیضین ہے، اگر مرزا صاحب میں بلاغت زیادہ ہے تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ فصاحت بھی زیادہ ہے، کیونکہ کلام اُس وقت تک بلیغ نہیں ہو سکتا جب تک اُس کے تمام الفاظ مفردات و مرکبات فصیح نہ ہوں، اگر فصاحت میں کسی قسم کی کمی ہوگی، تو بلاغت میں بھی کمی ہوگی اس لئے کسی کلام کی نسبت یہ کہنا کہ اِس میں بلاغت زیادہ ہے اور فصاحت کم، گویا یہ کہنا ہے کہ فصاحت زیادہ بھی ہے اور کم بھی،

بلاغت کی تعریف علمائے معانی نے یہ کی ہے کہ کلام اقتضائے حال کے موافق ہو، اور فصیح ہو، مقتضائے حال کے

موافق ہونا، ایسا جامع لفظ ہے جس میں بلاغت کے تمام انواع و اسالیب آجاتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ کتب معانی مثلاً مطول، ایضاح، وغیرہ میں بلاغت کی جو تشریح کی ہے اور اُس کے جس قدر انواع و اقسام قرار دیئے ہیں، وہ نہایت جزئی اور معمولی باتیں ہیں، ان تصریحات کی رو سے بلاغت اس کا نام ہے کہ مبتدا اور خبر کہاں متقدم لائے جائیں اور کہاں مؤخر؟ کہاں معرفہ ہوں کہاں نکرہ؟ کہاں مذکور ہوں کہاں محذوف؟ اسناد کہاں حقیقی ہو کہاں مجازی؟ جملہ کہاں خبریہ ہو، کہاں انشائیہ؟ دو فقروں میں کہاں وصل ہو کہاں فصل؟ کلام میں کس موقع پر اطناب کیا جائے کس موقع پر اختصار؟ گویا بلاغت کا صرف اسقدر فرض ہے کہ جب تم کسی مطلب کو کسی خاص جملہ میں ادا کرنا چاہو تو وہ یہ بتاوے کہ جملہ کے اجزا کیا ہونے چاہئیں اور اُن اجزا کی ترکیب کیا ہونی چاہئے، لیکن اگر عام طور پر یہ پوچھا جائے کہ کس قسم کے مضامین کو کیونکر ادا کرنا چاہئے۔ مثلاً مدح۔ ذم فخر ہجا۔ تہنیت۔ تعریض۔ شوق۔ محبت، ان مضامین میں سے ہر ایک کے ادا کرنے کے کیا کیا خاص پیرائے ہیں؟ ہر مضمون کا خاکہ کیونکر قائم کرنا چاہئے؟ کس قسم کے خیالات کس خاص مضمون کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں؟ تو موجودہ فن بلاغت اِسکے متعلق کچھ رہبری نہیں کرسکتا، حالانکہ بلاغت کا اصلی تعلق مضامین ہی سے ہے نہ الفاظ سے، مثلاً یہ امر کہ ایک واعظ کو کسی بات کے

ثابت کرنے کے لئے کس قسم کے مقدمات سے کام لینا چاہئے؟ اور اسی بات کو اگر ایک حکیم ثابت کرنا چاہے تو اُسکے استدلال کا کیا طرز ہوگا؟ اس میں الفاظ کی حیثیت سے بحث نہیں ہوتی بلکہ صرف نوعیت استدلال کا لحاظ ہوتا ہے، یعنی اگر ایک حکیم کے استدلال میں واعظانہ مقدمات پائے جائیں تو کہا جائیگا کہ خلاف بلاغت ہے، کیونکہ بلاغت کے معنی مقتضائے حال کے موافق کلام کرنا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک حکیم کو واعظانہ مقدمات سے استدلال کرنا اُس کے رتبہ کے خلاف ہے - اس سے ظاہر ہوا کہ بلاغت کو الفاظ سے چنداں تعلق نہیں، محض مضامین کو بھی بلیغ یا غیر بلیغ کہا جاسکتا ہے، بلاغت الفاظ درحقیقت بلاغت کا ابتدائی درجہ ہے، اصلی اور اعلی درجہ کی بلاغت، معانی کی بلاغت ہے - میر انیس صاحب کے کلام میں بلاغت الفاظ بھی اگرچہ انتہا درجہ کی ہے، لیکن یہ اُن کے کمال کا اصلی معیار نہیں، اُن کے کمال کا اصلی جوہر معانی کی بلاغت میں کھلتا ہے، کربلا کے واقعات، جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویوں کا موضوع شاعری ہے، جہاں تک تاریخ و روایت سے ثابت ہیں نہایت مختصر ہیں، لیکن مرثیہ گویوں نے اُن میں نہایت وسعت پیدا کی ہے - بعض جگہ محض ایک اجمالی واقعہ مذکور تھا، اُسکو اسقدر وسعت دی کہ واقعہ کے تمام جزئیات بیان کردئے - بعض جگہ روایت میں اس واقعہ کا نام و نشان بھی نہ تھا لیکن اس لحاظ سے کہ وقت اور حالت کے

اقتضا سے اُس واقعہ کا پیش آنا ضرور تھا، واقعہ کو فرض کرلیا ھے اور پھر اُسکو اِس طرح پھیلا کر لکھا ھے کہ گویا پورا واقعہ من و عن روایتوں میں مذکور تھا۔

مثلاً یہ واقعہ کہ جب حضرت عباس کو علم ملا تو عون و محمد کو رنج ھوا کہ یہ ھمارا حق تھا، وہ اپنی ماں حضرت زینب کے پاس شکایت لیکر گئے، اُنھوں نے سمجھایا کہ امام علیہ السلام نے جو کچھ کیا بجا کیا، یہ واقعہ نہایت تفصیل سے تمام جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ھے حالانکہ کتب تاریخ میں سرے سے اسکا ذکر نہیں، یا مثلاً حضرت علی اکبر کی تیاری جنگ کے وقت، حضرت زینب کا آزردہ ھونا اور جانے سے روکنا، یا مثلاً حضرت شہربانو کا حضرت علی اکبر سے اس بات پر ناراض ھونا کہ امام علیہ السلام کو تنہا چھوڑ کر کیوں چلے آئے، ان تمام واقعات کا تاریخ میں پتہ نہیں، اس قسم کے واقعات کے بیان کرنے میں بلاغت کا پہلا فرض یہ ھے کہ جو واقعہ فرض کیا جائے وہ ایسا ھو کہ وقت اور حالت کے لحاظ سے، اس کا واقع ھونا یقینی ھونے کے برابر ھو، اسکے ساتھ واقعہ کے جزئیات اور کیفیات جو بیان کئے جائیں وہ بالکل مقتضائے حال کے موافق ھوں، اور اس طرح بیان کئے جائیں کہ واقعہ کی صورت آنکھوں میں پھر جائے ۔ اس نکتہ کی حقیقت ایک مثال سے زیادہ تر واضح ھوگی، مرزا دبیر صاحب نے ایک مرثیہ میں یہ واقعہ باندھا ھے کہ جب حضرت علی اکبر جوان ھوئے تو جا بجا اُنکے حسن و جمال کا شہرہ ھوا، یہاں تک کہ

بادشاہان وقت نے اپنے اپنے ملک سے مصور بھیجے کہ اُنکی تصویر کھینچ کر لائیں، حلب کا بادشاہ سب سے زیادہ مشتاق ہوا اور جب تصویر اُس کے پاس پہنچی تو اُس نے فوراً اپنی بیٹی سے حضرت علی اکبر کی نسبت ٹھہرائی، اور حضرت امام حسین کے پاس پیغام بھیجا، امام ممدوح نے اپنی بے اطمینانی کی حالت بیان کی اور اخیر میں لکھا

اکبر کا بیاہ خالق اکبر کے ھاتھہ ھے

بابا کے ھات ھے نہ یہ مادر کے ھاتھہ ھے

لیکن بادشاہ حلب نے باوجود اسکے نسبت ٹھہراھی دی، اور شادی کے تمام سامان مہیا کرنے شروع کردئیے، ادھر کربلا کا واقعہ پیش آیا - جب بادشاہ کو خبر پہنچی تو وہ مع اپنے خاندان کے کربلا پہنچا، بادشاہ کی لڑکی نے جو حضرت علی اکبر سے منسوب تھی اس طرح نوحہ کیا

آئی ھوں گھر سے بال پریشان کئے ھوئے
دولھا اُٹھو، کھڑی ھے دولہن سر لئے ھوئے

دولھا ! تمھاری بیوطنی پر نثار میں
دلھا ! تمھاری بے کفنی پر نثار میں
دولھا ! تمھاری خستہ تنی پر نثار میں
دولھا ! تمھاری کم سخنی پر نثار میں

مردے کا ذکر کرتے ھیں سب شور و شین سے
ھے ھے بیان تمھارے کروں کیا میں بین سے

خوبو سے مطلع نہیں میں سوختہ جگر
ہے ہے میں اپنے گھر سے نہ آئی تمہارے گھر
نتھہ، چوڑیاں پہننے نہ پائی، میں نوحہ گر
جو آج ٹھنڈی کرتی میں صاحب کی لاش پر
حسرت ہی عقد کی رہی لونڈی کے باپ کو
ہے ہے بندھا نہ مہر جو بخشوں میں آپ کو
دولھا ! میں ننگے سر ہوں مجھے تم ردا اڑھاؤ
دولھا ! کہاں میں بیٹھوں ٹھکانا مجھے بتاؤ
دولھا ! مجھے بھی فاطمہ کے پاس لیتے جاؤ
دولھا ! برابر اپنے مری قبر بھی بناؤ
دولھا ! مقام شرم ہے در در نہ پھرنے دو
پردہ دلھن کا رکھہ لو کھلے سر نہ پھرنے دو

مرزا صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فرضی عروس کی زبانی ایک بڑا نوحہ الگ لکھہ کر مرثیہ کے ساتھہ بطور ضمیمہ شامل کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے

کس عادل و منصف کی میں دوں رو کے دوہائی
ہے ہے مرے نوشاہ
سنتی ہے دلھن شکل رنڈاپے نے دکھائی
ہے ہے مرے نوشاہ

یہ تمام قصہ بالکل بلاغت اور مقتضائے حال کے خلاف ہے، تمام باتوں سے قطع نظر کرکے ایک کنواری لڑکی کا بین اور نوحہ کرنا جو خود کہتی ہے کہ میں آپ کے

عقد میں نہیں آئی، اور پھر دولہا، دولہا پکارتی جاتی ھے
کسقدر بے معنی اور لغو ھے -

میر انیس نے سینکڑوں هزاروں مرثیے لکھے ھیں، اور ھر مرثیه بجائے خود ایک قصه یا حکایت ھے، لیکن کوئی واقعه ایسا نہیں لکھا جو اقتضائے حال کے خلاف ھو، عون و محمد کی روایات کا سرے سے کہیں پته نه تھا، لیکن جب میر انیس نے اسکو مرثیه میں لکھا تو تمام لوگوں کو اِس کی واقعیت کا دھوکه ھوا، یہاں تک که اب وہ بطور ایک واقعۂ مسلمه کے تمام مرثیه گویوں کے ھاں مختلف پیرایوں میں بیان کیا جاتا ھے، اسی طرح میر انیس نے جس قدر واقعات لکھے ھیں باوجود رقت انگیز اور مؤثر ھونے کے، واقعیت کے قالب میں اس قدر ڈھلے ھوئے ھیں که کہیں سے اُن پر حرف گیری نہیں ھوسکتی -

مرثیوں میں جو مضامین، قدر مشترک کے طور پر ھیں وہ یه ھیں، آمادگی سفر، راہ کی تکلیفات اور صعوبتیں، قیام گاہ کا انتظام، دشمنوں کی روک ٹوک، معرکه کی تیاریاں، رزم آرائی، رجز، حریفوں کا قتال و جدال، دشمنوں کی فتح، اهل حرم کی بیکسی اور بیچارگی، شام کا سفر، قید خانه، دربار کی حاضری -

ان میں سے ھر عنوان کے ادا کرنے کے لئے بلاغت کے خاص خاص طریقے ھیں، مثلاً سفر کی تیاری کے بیان کرنے میں بلاغت کا یه انتضا ھے که سفر کے وقت، جو جو واقعات، اور حالات پیش آتے ھیں، اُنکی تصویر کھینچی جائے، سفر کی آمادگی، سواریوں کی تقسیم، زاد سفر کا انتظام، محملوں

اور کجاووں کی تیاری، مستورات کے پردہ کا انتظام، دوست اور احباب کے وداعی جذبات، بھائی بہنوں اور عزیزوں کی گریہ و زاری، دلدھی اور صبر کے کلمات، یہ تمام باتیں تفصیل سے بیان کی جائیں اور اِس طرح کی جائیں کہ آنکھوں کے سامنے بعینہ سفر کا نقشہ پھر جائے، میر انیس نے جہاں سفر کا بیان کیا، اِن نکتوں کو ملحوظ رکھا ہے۔

دو حریفوں کی باہمی معرکہ آرائی کو اِس طرح بیان کرنا چاہئے کہ پہلے دونوں کے سراپا، ڈیل ڈول، اور اسلحۂ جنگ سجنے کا نقشہ دکھایا جائے، پھر بتایا جائے کہ دونوں نے فن جنگ کے کیا کیا ہنر دکھائے، حریف نے حریف پر کیوں کر حملہ کیا، کس طرح وار بچایا، تلوار کے کیا کیا ہاتھہ دکھائے، بند کیونکر باندھے، وغیرہ وغیرہ، میر انیس کے ہاں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں، بخلاف اسکے مرزا دبیر صاحب، آسمان و زمین کے قلابے ملا دیتے ہیں، لیکن یہ پتہ نہیں لگتا کہ دونوں حریفوں میں سے کسی نے دوسرے پر وار بھی کیا تھا یا نہیں۔غرض ہر واقعہ اور ہر معاملہ کے بیان کرنے میں بلاغت کا یہ اقتضا ہے کہ اُسکی تمام خصوصیات اس طرح دکھائی جائیں کہ دلوں پر وھی اثر طاری ہو جو خود واقعہ کے پیش آنے سے پڑتا، میر انیس کے کلام میں عموماً یہ وصف پایا جاتا ہے، ہم نے اس موقع پر مثالیں اس لئے قلم انداز کیں کہ آگے چل کر واقعہ نگاری، اور اظہار جذبات وغیرہ کے عنوان میں جو مثالیں آئیں گی وہی بلاغت کے لئے بھی کافی ہونگی۔

بلاغت کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ واقعات کے بیان میں جس درجہ و رتبہ، اور جس سن و سال کے لوگوں کا ذکر آئے، اُسی قسم کے طرز خیال اور طریق ادا کو ملحوظ رکھا جائے، بوڑھے، بچے، مرد، عورت کنواری، بیوہ، آقا، غلام، نوکر چاکر، غرض جس کی زبان سے جو خیال ظاہر کیا جائے اُسکی زبان اور طرز خیال کی تمام خصوصیات کو قائم رکھا جائے۔ میر انیس نے تمام مرثیوں میں یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے، مثلاً حضرت امام حسین کے سفر کے وقت محلہ کی بی بیاں حضرت زینب کو سفر سے روکتی ہیں

سب کہتے ہیں زینب سے کہ اے شاہ کی شیدا
کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا؟
پانی کی کمی، گرمی کے دن، خوف کا رستا
وہ دھوپ پہاڑون کی، وہ لوں اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیر چلے ہیں
بچوں پہ کرو رحم، کہ نازوں کے پلے ہیں
ہے ہے، چھہ مہینے کے بھی بچہ کا سفر ہے
کچھہ تم کو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے؟
غربت میں جوانوں کے تلف ہونیکا ڈر ہے
رحم اس پہ ہے لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغر کو جدا دکھہ ہو، قلق ماں کو سوا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو؟

ایک اور موقع پر اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

لے لے کے بلائیں یہی سب کرتے ہیں تقریر
اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیر
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر
مسلم کا خط آلے تو کریں کوچ کی تدبیر
للہ ابھی قبر پیمبر کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

یا مثلاً حضرت امام حسین اپنی چھوٹی صاحبزادی کو سفر میں لے جانے سے انکار کرتے ہیں تو وہ حضرت زینب سے سفارش کراتی ہیں

صغرا نے کہا آپ کی باتوں کے میں قربان
تم جان بچالو کہ میں لونڈی ہوں پھوپھی جاں
بیٹی ہو علی کی، میری مشکل کرو آساں
جیتی رہی صغرا تو نہ بھولے گی یہ احساں
کچھ بات بجز گریۂ و زاری نہیں کرتیں
اماں تو سفارش بھی ہماری نہیں کرتیں

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں وہ جائینگی ہمراہ
کیا اُنس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ
سب جیتے رہیں، خیر، ہمارا بھی ہے اللہ
بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کریں گے
میں قبر میں جب ہونگی تو سب یاد کریں گے

عاشق مرے مشہور ہیں بھیا کے میں واری

دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنیں گریۂ و زاری
میں کون؟ سکینہ ہیں چچا جان کو پیاری
اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہیں ہے

یا مثلاً حضرت علی اصغر کے پیاس سے جان بلب ہونے کے وقت، اُن کی ماں کی حالت اس طرح بیان کی ہے

چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالوں کو مادر
دولت مری لٹتی ہے اجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے لخت دل ساقی کوثر
آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اب تو علی اصغر
کیا ہوگیا؟ اس صاحب اقبال کو میرے
ہے ہے لئے جاتی ہے اجل، لال کو میرے

یا مثلاً حضرت امام حسین کی رخصت کے وقت، شہر بانو فرماتی ہیں

کچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جائیے
صاحب! کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جائیے

یا مثلاً جب حضرت امام حسین کربلا میں پہنچے اور وہاں اترنے کا ارادہ کیا، تو حضرت زینب اُس مقام کی وحشت اور ویرانی سے گھبرا کر فرماتی ہیں

کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک لی لگام
بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام

بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پر خطر میں اترنا تو قہر ہے
جنگل میں ہے بشر کے لئے سو طرح کا ڈر
اٹھتے ہیں بار بار بگولے اِدھر اُدھر
دن کٹ گیا تو ہوئے گی شب کس طرح بسر
لشکر میں غل رہے گا درندوں کا رات بھر
بچے بھی مارے ہول کے تر ہیں پسینے میں
میرا تو دل ابھی سے اچھلتا ہے سینے میں

اسی واقعہ کو ایک اور موقع پر لکھا ہے

بھائی سے اس زمین کی سنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقف اسـرار شش جہت
جو جو مسن ہیں، ان سے بھی لازم ہے مشورت
صدقے گئی حبیب سے بھی کرلو مصلحت
ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل نہ ہو

یا مثلاً جب امام حسین نے حضرت عباس کو علم دیا ہے تو حضرت زینب عباس کو مبارکباد دیتے ہوئے فرماتی ہیں

گھر میں سلامت آئیں گے جب سرور امم
تب دونگی تم کو تہنیت عہدۂ علم
ہاتھوں کو جوڑتی ہے یہ بہنا، اسیر غم
کیجیو صلاح صالح، کہ لشکر ادھر ہے کم
تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو

اسی موقع پر سکینۂ مبارکباد کو آتی ہیں، تو ان کے صغر سن کے لحاظ سے ان کی مبارکباد دینے کو کس پیرایہ میں ادا کیا ہے

اتنے میں پاس آکے سکینہ نے یوں کہا
چہرہ کی لوں بلائیں، میں صدقے جھکو ذرا
عہدہ علم کا تم کو مبارک ہو اے چچا!
میں نے دعائیں کی ہیں، کہو مجھ کو دوگے کیا
میداں کا رخ کروگے کہ دریا پہ جاؤگے
کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤگے

''جھکو ذرا،، کی بلاغت پر لحاظ کرو، اور دعا کے صلہ مانگنے کو دیکھو۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں۔

چلاتی ہے سکینہ کہ اچھے مرے چچا
محمل میں گھٹ گئی، مجھے گودی میں لو ذرا
… ے کہدو، اب کہیں خیمہ کریں بپا
ٹھنڈی ہوا میں لیکے چلو، تم پہ میں فدا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ آب ہے
تم تو ہوا میں ہو مری حالت خراب ہے

بچوں کی بول چال سے قطع نظر، یہ دیکھو کہ بچوں کی فطرت کو کس نکتہ سنجی سے ظاہر کیا ہے، بچوں کی مدعا طلبی کا بڑا آلہ، طعن اور تعریض ہے، اس کو کس خوبی سے ادا کیا ہے ع

تم تو ہوا میں ہو مری حالت خراب ہے،

ایک اور موقع پر جب حضرت عباس لڑنے کے لئے چلے ہیں، اور سب لوگ تن بہ تقدیر اُن کو رخصت کر چکے ہیں تو حضرت سکینہ کو خبر ہوئی ہے، وہ گھبرا کر روکنے کے لئے آتی ہیں اور بچپن کے ناز سے کہتی ہیں۔

خیمہ میں ہوا غل کہ چلے حضرت عباس
سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوے بے آس
گھبرا کے سکینہ نے کہا تب یہ بصد یاس
کیا کہتے ہو تم مجھکو تو جانے دو چچا پاس
منہ شہہ سے وہ موڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں
عمو، مجھے چھوڑیں گے، نہ مانوں گی کبھی مین
عباس پکارے مین اس آواز کے قرباں
ہم جاتے ہیں پانی کے لئے، آؤ میری جاں
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ ناداں
میں گھر سے تمھیں جانے نہ دوں گی کسی عنواں
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

یا مثلاً جب حضرت عباس کے شہید ہونے کی خبر آئی ہے اور لوگ بدحواس ہو رہے ہیں۔ حضرت عباس کی زوجہ نے یہ خبر نہیں سنی ہے لیکن قرینوں سے ان کو شبہ ہوتا ہے ان کے بدحواسانہ استفسار کو یوں ادا کیا ہے۔

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباس

کیوں بی بیو ! کیا ہوگئے بچے مرے بے آس
کیا کہتے ہیں شاہ شہدا ؟ کس سے ہوئی یاس
اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس
کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

اس مصرعہ میں ع اے وائے مقدر نہ سکینہ کی بجھی پیاس ، کس قدر ایثار نفس کا خیال ظاہر کیا ہے ، یعنی اپنے شوہر کے مرنے کا غم اپنی مصیبت کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ سکینہ کے لئے پانی نہ لا سکے اور ان کی پیاس نہ بجھا سکے ۔

یا مثلاً جب حضرت علی اکبر نے ماں سے اجازت لیکر میدان جنگ میں جانے کا ارادہ کیا ہے ۔ اور حضرت امام حسین نے فرمایا کہ پھوپھی سے بھی تو اجازت لو ، اس وقت حضرت زینب فرماتی ہین ۔

زینب نے کہا جس میں رضائے شہ عالی
میں نے تو کوئی بات نہیں منہ سے نکالی
کیا غم ہے، نہ پوچھا مجھے، ماں سے تو رضا لی
مالک ہیں وہی، میں تو ہوں اک چاہنے والی
صدقے کئے فرزند ، پھوپھی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے، نہ سمجھیں تو نہیں ہے
بچپن میں یہ کا ہے، کو مری چھاتی پہ سوئے
کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے روئے

کنگھی نہیں کی، گیسوے مشکیں نہیں دھوئے
ان کے لئے کب میں نے پسر ھاتھہ سے کھوئے
کیوں رونے ھیں یہ، کس لئے حضرت کو قلق ھے
حق دار میں کا ھے کو، مرا کون سا حق ھے

حضرت علی اکبر کو حضرت زینب ھی نے پالا تھا، اور وہ اُن کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں، حضرت علی اکبر بھی ھر بات میں انھی کا منہ دیکھتے رہتے تھے، چونکہ ان کو معلوم تھا کہ حضرت زینب میدان جنگ میں جانے کی اجازت بڑی مشکل سے دین گی، اس لئے انھوں نے پہلے اپنے ماں باپ سے اجازت لی ھے کہ اور لوگ اجازت دے دیں تو حضرت زینب سے درخواست کرنے کے لئے سند ھاتھہ آئے - اتنے مین حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ پھوپھی سے بھی تو اجازت لو، وہ بھری ھوئی بیٹھی تھیں، ان کی طعن آمیز تقریر کو کس خوبی سے ادا کیا ھے -

سب عورتوں کو لے کے چلی جب وہ حق شناس
کہنے لگین یہ تب جو کنیزیں تھیں آس پاس
کپڑے یہ ملگجے ھیں، بدل ڈالئے لباس
اُس نے کہا کہ ھے میرے دل پر ھجوم یاس
ایک دم میں سوگواروں کو میں دیکھہ آتی ھوں
کیسا لباس، کیا کسی شادی میں جاتی ھوں

جب وہ قید خانے کے دروازہ پر پہنچی ھے تو -

بڑھ کر کسی کنیز نے تب یہ کیا بیان

بی بی! کوئی اسیروں میں زندہ نہیں ہے یاں
چلئے محل میں، آپ بھلا جائینگی کہاں
قابل نہیں حضور کے جانے کے یہ مکان
گر غش ہوئی تو آپ میں آیا نہ جائے گا
ہم سے تو اس خرابہ میں جایا نہ جائے گا

لونڈیاں ہند کو قید خانہ میں جانے سے روکنا چاہتی ہیں، اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے پہلے تو یہ کہا کہ یہاں کوئی زندہ نہیں، پھر یہ کہ مکان آپ کے جانے کے قابل نہیں، پھر اس میں مبالغہ کا یہ اسلوب کہ آپ کو اختیار ہے لیکن ع ہم سے تو اس خرابہ مین جایا نہ جائیگا۔ اسی مضمون کو ایک اور مرثیہ میں اس طرح باندھا ہے کہ دربانوں نے اس خیال سے کہ قید خانہ میں امام زین العابدین بھی ہیں اور وہ غیر محرم ہیں، اہل حرم کی طرف مخاطب ہو کر کہا ہے۔

یا تو بیمار کی آنکھین اُسرا بند کریں
یا ہم آکر کسی حجرہ مین جدا بند کریں

غور کرو لونڈیوں اور پیش خدمتوں کی خوشامدانہ فطرت کا کس طرح اظہار کیا ہے، اور دربانوں کی تحقیرانہ فرمائش کس قدر دلدوز ہے، کہ یا تو زین العابدین کی آنکھین بند کردو، یا ہم آکر کسی حجرہ میں اُن کو بند کردیں۔

یا مثلاً جب حر نے اپنے بھائی، بیٹے، اور غلام سے مشورہ کیا ہے، کہ کس کا ساتھہ دینا چاہئے، تو انھوں نے یوں جواب دیا ہے

بیٹے نے کہا، شہ کی غلامی ہے سعادت
آنکھوں سے چلیں گے کہ یہ ہے عین عبادت
بھائی نے کہا، کفر ہے حاکم کی اطاعت
کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترک رفاقت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑیں ہم
کیا خوب! محمد کے نواسے سے لڑیں ہم
عبد حر غازی نے کہا تول کے شمشیر
گر لاکھ ہوں جانیں تو نثار سر شبیر
دنیا میں نہ ہوگا عمر سعد سا بے پیر
کہئے تو کروں اُس کے مٹا دینے کی تدبیر
حافظ ہے خدا، زور سے تلوار کے چلئے
اُس فوج میں چلئے، تو اُسے مار کے چلئے

دیکھو بھائی اور بیٹے نے جو کہا اور جو ارادہ کیا، اُن کو اجازت طلبی کی ضرورت نہیں، بخلاف اسکے غلام کہتا ہے کہ ع کہئے تو کروں اُس کے مٹادینے کی تدبیر، یہ وہی غلامانہ انداز گفتگو ہے - اس سے بڑھ کر یہ کہ اس فعل کو بھی اپنی طرف نہیں منسوب کرتا بلکہ کہتا ہے ع اُس فوج میں چلئے تو اُسے مار کے چلئے،

یا مثلاً جب حضرت عباس میدان جنگ کو جارہے ہیں، تو اُنکی زوجہ حضرت شہر بانو سے کہتی ہیں

کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار
ہم کو تباہ کرتے ہیں عباس نامدار

ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہیں اسوقت؟ میں نثار
کہئے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ میرا گھر تباہ ہو

اسی طرح کہتے کہتے، اخیر میں کہتی ہیں ع بی بی میں کیا کروں میرے بچے صغیر ہیں، دیکھو بیقراری کی معذرت میں کس قدر حسرت بھری ہوئی ہے، حضرت عباس نے زوجہ کی یہ حالت دیکھی تو اُن کو روکا

عباس دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہے تیر غم جگر ناتواں کے پار
روتے ہیں خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار
شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار
آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

یا مثلاً جب حضرت عباس امام حسین کے اصرار اور امتثال امر کی بناء پر دریا سے ہٹ آئے تو حضرت عباس کی شجاعانہ حسرت کو اس طرح ادا کیا ہے -

کہتے تھے راہ میں کہ نہ زور اپنا چل گیا
افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

یا مثلاً حضرت عباس نے جب حضرت امام حسین سے خیمہ نصب کرنے کے متعلق دریافت کیا ہے تو

کچھ سوچ کر امام دو عالم نے یہ کہا
زینب جہاں کہیں وہیں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹا یہ سنتے ہی عباس باوفا
جا کر قریب محمل زینب یہ دی صدا
حاضر ہے جان نثار امام غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضور کا

یا مثلاً حضرت زینب نے علی اکبر کو حضرت عباس کے بلانے کے لئے بھیجا ہے تو وہ جا کر مؤدبانہ طریقہ سے عباس سے کہتے ہیں ع چلئے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو۔

یا مثلاً جب یہ بحث پیدا ہوئی ہے کہ فوج کا علم کس کو دیا جائے تو حضرت عباس کی بیوی اپنے شوہر کا استحقاق اس طرح بیان کرتی ہیں

خادم شہ دین کے ہیں تو عباس علی ہیں
اس عہدہ کے لائق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

,, جو اگر ،، غلط ترکیب ہے، لیکن مستورات کی زبان کی بعینہ نقل کردینے نے وہ بات پیدا کردی ہے جو صحیح لفظ سے پیدا نہیں ہوسکتی تھی،

اس قسم کی صدھا مثالیں ہیں،

بلاغت کا ایک نازک موقع وہاں پیش آتا ہے جہاں حریف مخالف کا ذکر کرنا ہوتا ہے، دشمن کو اگر حقیر اور ذلیل ثابت کیا جائے تو اس کے مقابلہ میں فتحمندی کا مرتبہ گھٹ جاتا ہے، اور شان و شوکت دکھائی جائے تو مذہبی خیال

کے خلاف ہوتا ہے، ایسے مشکل موقع پر میر صاحب جس طرح ان دونوں مشکلوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں اور مدح و ذم کو پہلو بہ پہلو رکھتے ہیں، اس کا اندازہ ذیل کی مثالوں سے ہوگا۔

بالا قد و 'کلفت، و تنو مند و خیرہ سر
روئیں تن' و سیاہ دروں، آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے' ترکش اجل کا گھر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی، طبیعت بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُس کے اور اُسی قدو قامت کا ایک یل
آنکھیں کبود، رنگ سیہ، ابروؤں پہ بل
بدکاروبد شعار و ستمگار و پر دغل
جنگ آزما، بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لئے کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ حرب گرز پہ' یہ تیغ تیز پر

ایک اور موقع پر لکھتے ہیں

نکلا یہ سن کے غیظ میں اک پہلوان روم
گیتی کے چار دانگ میں تھی، جس شقی کی دھوم
سرہنگ و پر غرور و سیہ قلب و نحس و شوم
لنگر سے جس کے ھل گئی' مقتل کی مرز بوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا

گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا
چہرہ مہیب غیظ سے، آنکھیں لہو کا جام
تھرائے سام خوف سے کاندھے پہ وہ حسام
موذی، سیاہ بخت، سیہ دل، سیاہ فام
کھاتا تھا لاکھ بل، جو کوئی لے علی کا نام
کندا سقر کے قعر کا، پتلا گناہ کا
دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا

ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گرز گاؤ سر
پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ، بر مین بد گہر
زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر
منہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر
دستا نے دونوں دست تعدی پسند پر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر

ایک اور موقع پر۔

نکلا ادھر سے بہر وغا ایک رو سیاہ
زور آور و تہمتن و مغرور و کینہ خواہ
کاندھے پہ گرز، بر میں زرہ، خشمگین نگاہ
سر پر مثال قبضۂ تیغ آہنیں کلاہ
آمد شقی کی تھی کہ رواں رود نیل تھا
ہیبت مین تھا جو دیو، تو ہیکل مین پیل تھا

واقعات کے بیان میں بلاغت کا ایک بڑا ضروری اصول یہ ھے کہ کہیں سے سلسلۂ بیان ٹوٹنے نہ پائے، جب کوئی

واقعه مختلف اور متعدد واقعات پر مشتمل ہوتا ھے تو ایک واقعه سے دوسرے واقعه کی طرف منتقل ہوتے ہوئے اکثر بیان کا سلسله ٹوٹ جاتا ھے، یا زائد اور بھرتی کے لفظ لانے پڑتے ھیں، جس سے صاف معلوم ہوتا ھے که زبردستی ایک واقعه کا دوسرے سے پیوند لگایا ھے، مرزا دبیر صاحب کے کلام میں اسکی مثالیں کثرت سے ملتی ھیں، میر انیس کے اکثر مرثیے بہت سے متعدد واقعات پر مشتمل ہوتے ھیں، یہاں تک که اگر ان پر الگ الگ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا که ہر واقعه ایک جداگانه مرثیه کا موضوع ھے لیکن تسلسل بیان کا یه اثر ھے که تمام مختلف واقعات ایک مسلسل زنجیر بن جاتے ھیں جس کی تمام کڑیاں آپس میں ملی ہوئی نظر آتی ھیں مثلاً حر کا ایک مرثیه لکھا ھے اس میں حسب ذیل مضامین بیان کئے ھیں۔

حر کی مدح و صفت، امام علیه السلام اور اهل بیت کا میدان جنگ میں آنا، دونوں طرف کی تیاریاں ۔ حضرت امام حسین کا وعظ اور اتمام حجت کی تقریر ۔ عمر بن سعد کا حر کی طرف مخاطب ہونا اور دونوں کے سوال و جواب حر کا امام حسین کی طرف رخ کرنا ۔ حضرت امام حسین علیه السلام کا بزرگانه استقبال ۔ حر کی عفو خواهی اور امام حسین کا عفو و کرم ۔ حر کا جنگ کے لئے اجازت طلب ہونا ۔ میدان جنگ میں جانا ۔ اور شہید ہونا ۔ مرنے کے وقت حضرت امام حسین کا حر کے پاس پہنچنا اور نزع کی گفتگو ۔

یہ مرثیہ بہت بڑا ہے اور ہر واقعہ کو نہایت طول دیکر لکھا ہے، اس لئے پورا مرثیہ اس موقع پر نقل نہیں کیا جاسکتا ہم صرف اُن موقعوں کے اشعار نقل کرتے ہیں جہاں جہاں ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف انتقال کیا ہے۔

مرثیہ حر کی تعریف سے شروع ہوتا ہے، تعریف کرتے کرتے لڑائی کا ذکر کرتے ہیں۔

وصف حر میں ہے زباں معترف عجز و قصور
آمد آمد کی بہادر کا کروں اب مذکور
جب ہوئی مستعد جنگ سپاہ مقہور
مہر افلاک امامت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ زمیں پر بھی ستارے نکلے

ہو گئے سرخ شجاعت سے رخ آل نبی
آئی ٹھنڈی جو ہوا بھول گئے تشنہ لبی
رن میں کڑکا ہوا بجنے لگے باجے غربی
یکہ تازوں نے کیا شور مبارز طلبی
ایک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

برچھیاں تول کے ہر غول سے اسوار بڑھے
نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے خونخوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلوں میں کماندار بڑھے
بولے شہ، یاں سے کوئی آگے نہ زنہار بڑھے

اسد حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں
یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
اے سپاہ عرب و مصر ورے و کوفۂ و شام
تم پہ کرتا ہے حسین آخری حجت کو تمام
پسر مصحف ناطق ہوں سنو میرے کلام
سخن حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو

امام حسین کا وعظ نہایت تفصیل سے لکھا ہے اس کے بعد عمر بن سعد اور حر کی مخاصمانہ گفتگو اور سوال و جواب کا بیان کرنا تھا، اس کے لئے ربط کلام کا یہ طریقہ نکالا کہ حضرت امام حسین کے وعظ سے تمام فوج متاثر ہوئی۔ یہاں تک کہ عمر بن سعد نے حر کی طرف (ایک افسر فوج کی حیثیت سے) دیکھا کہ یہ کیا رنگ ہے اُس نے کہا امام بالکل سچ کہتے ہیں۔ اس طرح دونوں میں تکرار اور ردو کد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس موقع کے اشعار یہ ہیں۔

شہ کی مظلومیؔ پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ
عمر سعد نے کی مڑ کے رخ حر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہیں شاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا وہ ذیجاہ
ان کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخن حق میں جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

دونوں میں دیر تک رد و قدح ہوتی رہی اب اس واقعہ کے بیان کرنیکا موقع آیا کہ حر نے امام حسین کی طرف رخ کیا اور اُن سے جا کر مل گیا، اس کو یوں ادا کیا کہ عمر بن سعد حر سے کہتا ہے کہ خبردار! اگر تونے اُدھر جانے کا قصد کیا تو پرچہ نویس یزید کو خبر کردیں گے اور تیری جان پر آفت آجائے گی، حر جواب دیتا ہے

عمل خیر سے بہکانہ مجھے اے ابلیس
وہی کونین کا مالک ہے وہی راس و رئیس
کیا مجھے دیگا ترا حاکم ملعون و خسیس
کچھ تردد نہیں، کہدے کہ لکھیں پرچہ نویس
ہاں سوئے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہوں
لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
سرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آیا ایکبار
تن کے دیکھا طرف فوج امام ابرار
پانؤں رکھنے لگا تن تن کے زمیں پر رہوار
غل ہوا سید والا کا ولی جاتا ہے
لو طرفدار حسین ابن علی جاتا ہے

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند
حر کا ہاتھہ آنا تو کیسا؟ نہ ملی گرد سمند
کہتے تھے، ہاتھہ میں وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند
یہ فرس تھا کہ چھلاوہ، یہ پری تھا کہ پرند

کیا سبک سوئے چمن باد بہاری پہنچی
ہم یہیں رہ گئے، واں حر کی سواری پہنچی

حضرت امام حسین نے عباس علمدار کو حر کے استقبال کو بھیجا، اس کی تقریب یوں پیدا کی ہے

یاں ہوئے علم امامت سے شہ دین آگاہ
ہنس کے عباس سے فرمایا کہ اے غیرت ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے، رخ حر ذیجاہ
سب سے کہدو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہماں، میرا عاشق مرے پاس آتا ہے

اسکے بعد حر کی معذرت خواہی، حضرت امام حسین کا عفو، پھر حر کی طلبی اذن جنگ کو نہایت خوبی اور پراثر طریقہ سے ادا کیا ہے - پورا مرثیہ پڑھو اور جہاں جہاں ایک واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ شروع ہوتا ہے، ان پر غور سے نظر ڈالتے جاؤ تو معلوم ہوگا کہ سلسلۂ تقریر کے زور سے مختلف واقعات کو کس خوبی سے ایک لڑی میں پرودیا ہے -

بلاغت کے جزئیات- بلاغت کے جزئی اسالیب، نہایت مختلف الصورۃ ہیں اور چونکہ ہر جگہ ایک نئی صورت پیدا ہوتی ہے، اس لئے اُن کے کلیات، مشکل سے قائم ہوسکتے ہیں، چند مثالوں سے اسکا اندازہ ہوسکے گا -

مثال ۱— جب امام حسین علیہ السلام کے تمام عزیز و

اقارب و رفقا شہید ہوچکے ہیں تو اتفاق سے ایک راہرو کا اُدھر گزر ہوا، وہ یہ عبرت انگیز موقع دیکھ کر ٹھہر گیا اور امام علیہ السلام سے واقعہ کی کیفیت پوچھنی شروع کی، آپ نے اپنی مظلومی اور دشمنوں کی بیرحمی کی داستان سنائی، لیکن اپنا نام نہ بتایا، وہ آپ کا صورت شناس نہ تھا لیکن قرائن سے اسکو اشتباہ ہوتا تھا کہ آپ خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بالآخر اُس نے کہا کہ ع

اظہار اسم اقدس و اعلی میں کیا ہے باک

آپ نے جو کچھ اور جس طرح جواب دیا اسکو اس طرح ادا کیا ہے

یہ تو نہیں کہا کہ شہ مشرقین ہوں

مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

اس شعر میں بلاغت کے جو نکتے ہیں صرف مذاق صحیح ان کا احاطہ کرسکتا ہے، تاہم جس حد تک بیان میں آسکتا ہے ہم بیان کرتے ہیں۔

موقع کی حالت یہ ہے کہ حضرت امام حسین اپنا نام اس حیثیت کے ساتھ بتائیں جس سے کسی قدر شرف اور افضلیت کا اظہار ہو، تاکہ پوچھنے والا سمجھ سکے کہ یہ وہی امام حسین ہیں جن کا وہ غائبانہ دلدادہ اور مشتاق ہے، لیکن امام ممدوح کو خاکساری مانع آتی ہے، وہ اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ میں حسین ہوں، لیکن چونکہ مستفسر قرائن سے اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ محض نام لینے سے بھی غالباً پہچان لے گا، اور

اس لئے حسین کہنا بھی گویا اپنے آپ کو امام کہنا ہے، اس بناء پر نام لینا بھی ایک طرح پر شرف اور فضیلت کا اظہار ہے، اس لئے خالی نام لیتے ہوئے بھی آپ شرما جاتے ہیں اور شرم سے آپ کی گردن جھک جاتی ہے اس بناء پر شاعر کہتا ہے ع مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں، لیکن شاعر کو جو امام حسین کی عظمت کے اثر سے لبریز ہے، گوارا نہیں ہوتا کہ آپکا نام اس سادگی سے لیا جائے، اُس کے نزدیک امام علیہ السلام اگر اپنے آپ کو بادشاہ مشرقین کہتے تو یہ کچھ خودستائی نہ تھی، بلکہ محض ایک واقعہ تھا، جس طرح رسول اللہ اپنے کو رسول اللہ کہتے تھے، اور یہ خود ستائی نہیں خیال کی جاتی تھی، شاعر کے دل میں حسرت ہے کہ کاش امام نے بیان واقعہ ہی کیا ہوتا، اس کو وہ اس طرح ادا کرتا ہے ع یہ تو نہیں کہا کہ شہ مشرقین ہوں، تاہم اس سے یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کی عالی ظرفی اور شرافت نفس کا یہی اقتضا تھا کہ وہ خاکساری کو بیان واقعہ پر مقدم رکھتے۔ اس موقع پر یہ کہے بغیر رہا نہیں جاتا کہ اسی واقعہ کو مرزا دبیر صاحب نے اس طرح باندھا ہے ع فرمایا میں حسین علیہ السلام ہوں،

میر انیس اور میرزا دبیر کے موازنہ کی جو بحث ہے اُس کے فیصلے کے لئے دونوں کے صرف یہ دونوں مصرع کافی ہیں۔

صف شکن بٹیر
(فسانۂ آزاد)

میاں آزاد نواب کی ڈیوڑھی پر آئے اور آداب بجالائے۔ اتنے میں ایک چوبدار برھنہ سر پریشان و مضطر لپکتا ھوا آیا - خدا وندا بڑا غضب ھوگیا - کیا کہوں کیا کہوں - کہو این خیر ھے - بولو تو - سب کا رنگ فق کہ خدا ھی خیر کرے - نواب کا کلیجہ دھل گیا - میاں کچھ منہ سے بولو - سر سے کھیلو - آخر کیا آفت آئی - کچھ معلوم تو ھو ؟

چوبدار - (ھاتھہ جوڑ کر) جان بخشی ھو تو عرض کروں - بٹیر سب اڑ گئے -

نواب - (ھاتھ ملتے ھوئے) سب ؟ ارے سب اڑ گئے۔ ھائے میرے صف شکن کو جو ڈھونڈہ لائے ھزار نقد گن وائے - اِس وقت میں جیتے جی مرمٹا - اُف اُف بھئی ابھی سانڈنی سواروں کو حکم دو کہ پنچ کوسی دورہ کریں - جہاں صف شکن ملے سمجھا بجھا کر لے ھی آئیں -

مصاحب - خداوند سمجھانا کیسا - وہ بھی کوئی آدمی ھے کہ سمجھہ جائے گا - جنور لاکھہ پڑھے جنوز ھے -

نواب - کوئی ھے -

رفقا - حاضر پیرو مرشد خداوند جی حضور -

نواب - ان پر جوتے پڑیں - لو صاحب ہم تو اس وقت گھبرائے ہوئے ہیں - یہ بات کاٹتا ہے - صف شکن کو تم ایسے گدھوں سے زیادہ تمیز ہے -

رفقا - حق ہے - اے حضور وہ تو عربی سمجھ لیتا ہے دوسرے بولے خداوند اُس کو قرآن کے کئی پارے یاد ہیں - تیسرے نے کہا قسم ہے پنجتن پاک کی میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے - چوتھے ایک دن ہنس رہا تھا -

پانچویں - اجی ہم نے ڈنڈ پیلتے دیکھا ہے -

نواب صاحب کو ان کل باتوں کا یقین آگیا - اس مصاحب بیچارے کی گدی پر دو چار گدے پڑگئے - بٹیر کیا اڑ گئے کہ نواب صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اڑگئے آنکھوں سے اشک جاری ٹپ ٹپ آنسو گر رہے - کلیجہ بلیوں اچھل رہا ہے - چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں - ہائے میرا صف شکن - پیارا صف شکن

اگر دانستم از روز ازل داغ جدائی را
نمی کردم بدل روشن چراغ آشنائی را

مجھے تو اُس سے عشق ہوگیا تھا جی میں تو اسکی بانکی ادا پر جان دیتا تھا - یارو وہ نوکیلی چونچ - وہ بیتابی سے کانکن چگنا - چکھی چکھائی اور ڈٹ گیا - سیکڑوں معرکوں میں لڑایا مگر کورا آیا - دو دو چونچیں ہوئیں اور بٹیر دم دبا کر بھاگا پھر سامنا ہوا اور منہ پھیر دیا - کس

بانکپن سے جھپٹ کر لات دیتا تھا کہ پالی بھر تھرا اٹھتی تھی۔اور اُسکی بساط ہی کیا تھی - منجھولا جنور - لیکن بلا کا کس بل۔ اور قسم ہے صف شکن ہی کی - اسکی خوبیاں مجھہ پر آج کھلیں - یہ تو میں پہلے سے جانتا تھا کہ وہ حقانی جانور ہے - صورت بٹیر کی مگر سیرت فقرا کی اور ایک پنڈت نے مجھہ سے کہا تھا کہ یہ کیا جانے کیسی کھنڈت ہوگئی نہیں تو اس کا بڑا درجہ تھا - اب سنا کہ نماز بھی پڑھتا تھا -

مصاحب - حضور کو یاد ہوگا کہ رمضان شریف کے مہینے میں اُس نے دن کے وقت دانہ تک نہ چھؤا - حضور سمجھے تھے بوندا ہوگیا مگر میں تاڑ گیا - کہ پابند صوم و صلوۃ ہے -

خوجی - جل جلالہ - کیا شان کبریائی ہے - خداوند اب میں حضور سے کہتا ہوں کہ دس پانچ دفعہ میں نے افیم بھی پلا دی مگر واللہ باللہ ثم باللہ جو ذرہ بھی نشہ ہوا ہو - ہاں انکھڑیوں میں لال لال ڈورے تو پڑ گئے تھے -

میر صاحب - پیرو مرشد یقیں جانئے پچھلے پہر سحر کاذب تک حق حق کی آواز کابک سے آیا کرتی تھی - غفور تم کو بھی ہم نے کئی بار جگا کر سنایا تھا کہ صف شکن یاد خدا میں مصروف ہیں -

غفور - ہاں میاں پچھلے سے حق حق کیا کرتے تھے اور دیکھا تھا کہ سجدہ کر رہے تھے

خوجی - جل جلالہ - جل جلالہ - واہ میاں صف شکن علی شاہ !

نواب - بھئی ہم نے اُسے پہچانا ہی نہیں - اُف اُف بھئی کوئی پنکھا جھلنا -

مصاحبین - (غل مچا کر) پنکھا لاؤ جلدی - سامنے کھڑے ہو کر جھلو -

نواب - پیتم جو میں جانتی کہ پیت کئے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈورا پیٹتی کہ پیت کرے نہ کوئے

خوجی - (پینک سے چونک کر) ہاں ذری اونچے سروں میں - واہ استاد چھیڑے جا - اس وقت تو میاں شوری کی روح پھڑک گئی ہوگی -

نواب - چپ نامعقول - کوئی ہے اِن کو یہاں سے ٹہلاؤ - یہ رئیسوں کی صحبت کے قابل نہیں - مجھکو بھی کوئی گویا مقرر کیا ہے - یہاں تو جی جلتا ہے اور اندر ہی اندر پھک رہا ہوں اُن کے نزدیک قوالی ہورہی ہے - کہنے لگے اونچے سروں میں - میاں شوری یاد آتے ہیں - تم ایسے مفت خوروں کو کسی کے دکھ درد سے کیا سروکار - تم کو تو چکھوتیوں سے مطلب ہے اور بس - فیرنی ہو کھیر پکے - مزعفر پر ہاتھ پڑے ٹکرے کھائے دل بہلائے - کپڑے پھٹے گھر کو آئے -

خوجی - خداوند غلام تو اِس دم اپنے آپے میں نہیں- ہائے صف شکن کی کابک خالی ہو اور میں اپنے ہوش و حواس

سے چوکس رہوں - میرا معشوق نظر سے غائب ہو تو طبیعت کیونکر حاضر ہو - حضور نے اس وقت مجھ پر جبر کیا - افسوس ہائے افسوس - ارے یارو صف شکن کو کہیں سے ڈھونڈھ لاؤ - کوئی تو پتہ لگاؤ - چور گیدی سے خدا سمجھے -

نواب - شاباش ! شاباش ! ! اِس وقت طبیعت بہت ہی خوش ہوگئی - بیشک تم نمک حلال - تمہارے باپ دادا نمک حلال - ارے بھئی سانڈنی سوار دوڑائے گئے یا نہیں ؟

مصاحب - شجاعت علی سے کہو ابھی سانڈنی تیار ہو اور پنچ کوسی چکر لگائے - جہاں صف شکن ملیں اُن کو سمجھا بجھاکر لے ہی آئے -

شجاعت - جاتا تو ہوں مگر وہ تو منطق پڑھے ہیں میری کیا سنیں گے کوئی مولوی بھی تو ساتھ بھیجئے اُن سے بحثے گا کون - غلام تو کچھ اونٹ ہی چلانا خوب جانتا ہے - اُن سے دلیل کون کرے بھلا -

خوجی - خدا وند قربان جاؤں - افیم - چانڈو - مدک - چرس کی بحث ہو تو بندۂ درگاہ کو بھڑا دیجئے مگر وہاں تو حقانی باتیں ہونگی - اس میں این جانب کو واجبی ہی واجبی دخل ہے - پھر دخل درمعقولات دیکر اُلو بنوں مفت میں -

میاں آزاد پیر و مرشد بانک بنوٹ لکڑی پٹے کا چرچا ہوتا تو بندہ بھی تلوار سوت کر عین موقع واردات پر جا

ڈنٹا اور چرکے پر چرکا، نشتر پر نشتر لگاتا - مگر منطق کی بحث کچھ خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں - کسی جغادری مولانا کو بلوائیے -

مصاحبوں نے ایک مولانا صاحب کو تجویزا - مولانا بیچارے پھٹے حال تھے سمجھے کہ جو ملے غنیمت ہے - مگر یاران سرپل نے ان سے کل داستان نہیں بیان کی - چوبدار مکان پر گیا اور کہا کہ نواب صاحب نے آپکو یاد کیا ہے چلئے کسی بڑے عالم سے بحث ہوگی -

مولانا—السلام علیکم - حضور نے آج یاد فرمایا - زہے نصیب -

نواب—وعلیکم السلام - آپ کو اِسوجہ سے تکلیف دی کہ میرا قرۃالعین، لخت جگر، نوربصر ناراض ہوکر چلا گیا مگر بہت منطقی ہے - اسرار خدائی سے واقف، علم مناظرہ میں طاق- پابند روزہ و نماز - آپ بحث کیجئے اور معقول کر کے لے آئیے !

مولانا—انشاء اللہ - والدین کا بڑا حق ہوتا ہے وہ کیسے نادان آدمی ہیں کہ والدین سے خفا ہو گئے - مقام استعجاب ہے -

خوجی—مولانا صاحب وہ بٹیر ہے - مگر خوش تمیز عارف - زاھد - عفت کوش - متقی - متشرع - منطقی - فلسفی ہیئت داں - عربی خواں -

میر صاحب—کیا صف شکن کا نام مولانا صاحب نے نہ سنا ہوگا وہ تو روم تک مشہور تھے -

قبلہ حقیقت حال یوں ھے کہ سرکار کا بٹیر صف شکن کل کابک سے اُڑ گیا - اب تجویز یہ ھوئی ھے کہ ایک سانڈنی سوار جائے اور سمجھا بجھا کر لے آئے مگر شتربان پھر شتربان ھے - لاکھ صحبت یافتہ ھو تو کیا، لہذا آپ بلائے گئے کہ سانڈنی پر سوار ھوجئے اور انکو بلطائف الحیل بلا لائیے -

مولانا — درست - آپ سب کے سب نشے میں تو نہیں ھیں - ہوش کی باتیں کیجئے - خود مسخرے بنتے ھو یا مجھے بناتے ھو - بٹیر منطقی کیسا لاحول ولاقوۃ - آپ نے مجھے بھی کوئی نقل محفل بنایا ھے - اور سنئیے بٹیر اُڑ گیا اُسکو سمجھا کر لاؤ - وہ بھی کوئی مولوی ھے یا آدمی ھے - صف شکن ؟ کون لڑائی سر کی تھی - استغفر اللہ - استغفر اللہ - اچھے گاؤدیوں کا مجمع ھے - بندہ رخصت ھوتا ھے -

نواب — یہ کس کوڑہ مغز کو لائے تھے - خاصا جانگلو ھے -

آزاد — اچھا حضور بھی کیا یاد کریں گے کہ اتنے بڑے دریا میں ایک بھی منطقی نہ نکلا - لے اب غلام نے بیڑا اٹھا لیا کہ جاؤں گا اور لاؤں گا - ایک تو سانڈنی دیجئے بادرفتار اور دو دن کی خوراک دیجئے اور ایک خط اپنے دستخط مبارک سے لکھ دیجئے - تیسرے دن غلام مع صف شکن خاں بہادر کے دیوڑھی پر موجود نہ ھو تو مونچھیں منڈوا ڈالئے -

نواب — اچھا آپ جائیے اور لیس ھوکر آئے - میں

یہاں بندوبست کئے دیتا ہوں - مگر ابھی آیئے دیر نہ ہونے پائے - اتنا خیال رہے -

میاں آزاد گھر گئے تو اور مصاحبوں میں کھچڑی پکنے لگی - یارو یہ تو بازی جیت لے گیا - پالا اسی کے ھاتھہ رہا - اور جو کہیں صف شکن کو لے آیا تو پھر ھم سب پر شیر ھو جائے گا - پھر آزاد ھی آزاد چوطرفہ نظر آئیں گے ھم کو آپ کو کوئی نہ پوچھے گا - اسکی فکر کیجئے -

خوجی- حضور جان بخشی ھو تو عرض کروں -

نواب - کہئے نہ یہ جان بخشی کا کون موقع ھے، کوئی عمدہ صلاح بتائیے - کوئی معقول تدبیر نکالیئے -

خوجی - حضور میاں آزاد ابھی دو دن سے اس دربار میں آئے ھیں اُن کا اعتبار کیا - خدا جانے اچکے ھیں - اُٹھائی گیرے ھیں - چور ھیں- گرہ کٹ ھیں - کوئی کیا جانے اور جو سانڈنی لیکر رفو چکر ھوں تو پھر کوئی کہاں ان کا پتہ لگاتا پھرے - انصاف سے کہئے گا کہ ایک خانہ برباد خانہ بدوش آدمی کا ٹھکانا کیا اور وہ کچھ بیدھا ھے کہ پھر واپس آئے گا -

مصاحب - ھاں خداوند کہتے تو سچ ھیں -

رفیق - پیرومرشد سڑی ھے تو کیا ھوا مگر کہتا پتے کی ھے -

میرصاحب - یہ خوجی صورت ھی سے ایسے معلوم ھوتے تھے لیکن بات کہی ٹھکانے کی - اے ھاں ایسے آزاد کا ٹھکانا کیا- سانڈنی کے کوڑے کرے اور اپنی راہ لے -

مسیتا بیگ- ہم تو حضور کو صلاح نہیں دیں گے کہ میاں آزاد کو سانڈنی دیجئے -

نواب - چلو بس بہت نہ بکو- تم اٹھائی گیرے مفت خورے ہو نہ سب کو اپنا ھی جیسا سمجھتے ہو - آزاد کی چتون کہے دیتی ھے کہ وہ وزارت کے قابل ھے - تم میں سے کوئی اُس کی جوتی کی پھٹ پھٹ کو نہیں پہنچتا - اور فرض کرو کہ سانڈنی جاتی رھے تو کیا میں بھی کوئی ٹکڑ گدا ہوں کہ سانڈنی کے کھونے سے مجھے بھیک مانگنے کی نوبت آئے گی اور ھزار بات کی ایک بات تو یہ ھے کہ صف شکن پر سے لاکھوں صدقے ھیں - سانڈنی کس شمار میں ھے -

ھمارے سیلانی جوان - رنگیلے پہلوان - ظریفوں کی جان زندہ دلوں کی روح رواں میاں آزاد نے سانڈنی پر کاٹھی کسی اور بھولے بھالے دیوانے متوالے نواب سے رخصت ہوئے -

خوجی- فی امان اللہ میاں آزاد جس طرح بیڑا اٹھا کر جاتے ھیں - خدا کرے اسی طرح سرخ رو آئیں -

میر صاحب- ذری سانڈنی سے چوکس رھئے -

آزاد- خدا وند رخصت- مجرا عرض ھے- غلام کے حق میں دعائے خیر دیجئے -

نواب - خدا حافظ و ناصر ھے- اور میرا تو رونگٹا رونگٹا دعا دے رہا ھے - لیجئے بسم اللہ کیجئے -

میاں آزاد نے پشت پھیری تھی کہ اتنے میں پٹ سے چھینک پڑی- ہات تیرے کی ناک کاٹوں ھتھے پر ٹوکا کمبخت نے لے میاں ذرا جوتا

بدل ڈالو اور یہ گلوری کھالو - میاں آزاد پھر سب سے رخصت ہوئے - فی امان اللہ - خدا حافظ - اللہ کو سونپا - مگر سانڈنی کی خیر نہیں نظر آتی - بی مبارک قدم لونڈی اور ماما اصیلوں نے چٹ چٹ بلائیں لیں اور دعائیں دیں -

الغرض میاں آزاد سانڈنی پر سوار ہوکر ہوا ہوئے - یہ جا وہ جا - تھوڑی دیر میں نظر سے اوجھل بانکا صندلی عمامہ بر سر اور جامۂ پہلوانی در بر - شتر بے مہار زیر ران - گھونگھرو چھن چھن بولتے جاتے ہیں - کاٹھی پر قرمزی زریں پوش اور کاکریزی گوٹ سے اونٹنی کا جوبن دو بالا ہوگیا - چلتے چلتے ایک پھاٹک پر بڑا لمبا چوڑا اشتہار دیکھ کر ٹھٹک رہے - پڑھا تو باچھیں کھل گئیں -

بڑے بڑے کھیل اور بڑے بڑے تماشے

(آؤ کھلاڑی آؤ) پریوں کے پون دیکھ جاؤ - بمبئی کے پارسی چھتر منزل میں اندر سبھا کا وہ تماشہ دکھاتے ہیں کہ اس فن کے مبصر تک وجد میں آتے ہیں - آزاد تو سیر سپاٹے پر اُدھار کھائے ہی ہوئے تھے جھٹ سانڈنی کو لکھنؤ کے رخ سبک پویہ کیا جہاں تماشا ہونے کو تھا - سانڈنی بلا کی باد رفتار آہو شکار - گردن اُٹھائے دم دبائے بلبلاتی اور شتر غمزے دکھاتی شہ گام جانے لگی - اور دن سے لکھنؤ کے پکے پل پر داخل - میاں آزاد کا دماغ فلک الافلاک پر کہ میری اونٹنی کو کچھ نہ پوچھو - یہ

بے پر کی پریوں کو مات کرتی ہے - وہاں سے ایک طرارہ بھرا تو چھتر منزل میں کھٹ سے آن موجود -

او ہز ہو ہو کیا مقام مینو سواد ہے - الٰہی یہ زمین ہے یا بہشت شداد ہے - یہ رنگین دروازے ہیں یا باب گلستاں یا ابواب الجنان - اتنے میں گھنٹی بجی اور محفل دلہن کی طرح سجی - سامنے پردۂ زرنگار اور اس پر کہسار اور دامن کوہ میں سبزہ زار اِدھر اُدھر اشجار پر بہار - عقل دنگ ہے کہ الٰہی یہ پردہ ہے یا نگار خانۂ ارژنگ ہے - وہ گل بوٹے کہ واہ جی واہ - وہ نقش و نگار کہ سبحان اللہ - تماشائی پرانے رسیا تاڑ گئے کہ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں، اتنے میں پردہ اٹھا تو آنکھ جھپک گئی- وہ چکا چوندہ کا عالم کہ نظر کا پاؤں پھسلا جاتا تھا - راجہ اندر تخت جواہر نگار پر بڑی شان اور بان سے متمکن ہیں - پھر تو ہر درو دیوار سے چھن چھن چھم چھم کی آواز آنے لگی اور محفل بھر کھلکھلا نے لگی - ایک غلمان نظیر نے عجب ادائے دلپزیر سے چمک چمک کر گانا شروع کیا اور دائرہ والے نے گت کا بجانا شروع کیا

سبھا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے
پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے

اب اُدھر نواب کے یہاں کا حال سنئے وہاں کیا ہوتا تھا - جب کئی دن گزر گئے تو خوشامد خوروں نے چنگ پر چڑھایا کہ پیرومرشد دیکھا ہم نہ کہتے تھے کہ میاں آزاد

خانہ برباد کا ٹھکانا کیا - حضور نے نہ مانا - آخرش سانڈنی کی سانڈنی گئی اور رنج کا رنج ہوا -

خوجی - اور بیوقوف کے بیوقوف بنے -

میر صاحب - اور انعام و زاد راہ جو دیا گیا گھاٹے میں - اس کی گنتی ہی نہیں -

غفور - حجور اب وہ پھرتے بخیر نہیں آتے - دو تین سو کی سانڈنی پر پانی پھر گیا -

خوجی - ہونہہ - یہ دو ہی تین سو لئے پھرتے ہیں - اے میاں وہ سانڈنی بلا کی دھاوا کرنے والی ہے - ریل کی دم میں باندھ دو دیکھو چندوسی تک برابر چھم چھم کرتی چلی جاتی ہے یا نہیں - ہندوستان سے ملک میں ویسی تو ایک نظر آتی نہیں - کیا دم خم ہے بھئی میں تو ایک دفعہ سوار ہوا - واللہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہوا پر جا رہا ہوں وہ ٹھمک ٹھمک چال کہ اوہو ہو ہو - سواری اونٹ بگھی گھوڑا پالکی ہاتھی سب اس کے مقابلے میں گرد ہیں - اور بھئی سچ پوچھو تو میاں صف شکن سے اُس کے کھونے کا زیادہ رنج ہوا -

میر صاحب - واہ خواجہ صاحب آپ بھی واللہ کیا بے تکی باتیں کرتے ہیں - کجا بے زبان جانور کجا ہمارے صف شکن سلمہ اللہ تعالے - پاجی اور بھلے مانس کا مقابلہ کیا - ارے وہ اشرف الحیوانات ہے - ایسی ایسی ہزار ہا سانڈنیاں اس کی ایک لات پر نثار - کہنے لگے کہ سانڈنی کے کھونے کا زیادہ رنج ہوا -

نواب- اتنے بڑے لونبڑ ہوے مگر گوکھے ہی رہے جو بات کریں گے بے ٹھکانے سانڈنی ٹکے کا جانور۔ گئی گئی اب اس کا رونا کیا۔ ہاے رنج تو یہ ہے کہ میاں صف شکن اب ہاتھ نہ آنے کے میرا ہی دل جانتا ہے کہ کلیجے پر کیسی چوٹ لگی ہے۔ اس سے تو مجھے ہی موت آجاتی تو سمجھتا بڑا خوش نصیب ہوں۔ افسوس۔

مصاحب - حضور صبر کیجئے بڑے نواب صاحب مر گئے تو حضور نے کیا کر لیا۔ چچا حضور کو چھوڑ کر چل بسے تو حضور نے کیا کرلیا۔ دادا جان ساری ثروت سے منہ موڑ کر داغ جدائی دے گئے تو حضور نے کیا کر لیا۔ اب صبر کیجئے۔

نواب۔ میاں بات یہ ہے کہ باپ دادا تو سب ہی کے مرا کرتے ہیں مگر صف شکن سے وفادار جانور کا ایک دم بھی جدا ہونا کھلتا ہے نہ کہ کابک سے اڑ جانا۔ خیر خدا ان کو بخشے اس وقت دل ہے کہ بے اختیار اُمڈا چلا آتا ہے۔

خوجی- اس وقت تہ دل سے دعا نکلتی ہے کہ میاں آزاد مع صف شکن علی شاہ کے کھٹ سے آجائیں اور حضور واللہ دل گواہی دیتا ہے کہ آیا ہی چاہتے ہیں۔ بس صبح و شام آئے داخل۔

نواب- تمہارے منہ میں گھی شکر۔

مسیتا - حضور مٹھائی کا اقرار کر لیں۔

خوجی - اور سنئے یہ بندہ شکم گرسنہ چشم خوب بولا۔ ابے مٹھائی کیسی وہ جلسے اڑیں وہ جشن ہوں کہ

واہ جی واہ ۔ مہینوں طبلے پر تھاپ پڑے اور دور دور سے طائفے آئیں ۔ صف شکن کا آنا کوئی ایسی ویسی بات ہے۔ گیدی کہیں کا ۔

نواب ۔ انشاء اللہ ۔ پھر میں اپنے دل کا ارمان نکالوں۔ وہ دھما چوکڑ مچے کہ واہ جی واہ ۔

مسیتا بیگ ۔ (میر صاحب کے کان میں چپکے سے) نقل عیش بہ از عیش ۔ آنا جانا ملنا ملانا معلوم ۔ مگر واللہ آزاد بھی بلا کا جوان ہے وہ جھانسا دیا کہ نواب بھی ساری عمر نہ بھولیں گے ۔ سانڈنی تو بھئی اس نے بیچ لی ۔ اونے پونے دام سیدھے کئے ۔ صف شکن کی دم میں نمدا ۔

میر صاحب ۔ (آہستہ سے) کیوں جی یہ ہمارے رئیس بھی کتنے بھولے ہیں ۔ بٹیر سے صف شکن ہوئے اور اور صف شکن سے اب صف شکن علی شاہ بنے (اہا ہا ہا) لاحول ولا قوۃ، الا باللہ نرا گاؤدی ہی رہا ۔

مسیتا بیگ ۔ اجی خدا کرے ایسا ہی بنا رہے

نواب ۔ اب زنان خانہ مین جاتے ہیں ہم ۔ رخصت !

نواب صاحب زنان خانہ میں بیٹھے بیگم صاحب سے میٹھی میٹھی باتین کر رہے تھے ۔

بیگم ۔ اے ہاں آزاد کس کھوہ مین دھنس گیا ۔ میں تو جانوں کوئی دو مہینے سے کم نہ ہوئے ہوں گے ۔ جس دن سدا بہار کی لڑکی گل چمن کی ہنسلی بڑھائی گئی تھی اسی دن لد پھند کر گیا تھا ۔ میں کھڑکی سے جھانک رہی تھی ۔

سدا بہار - اے وہ چمپت ہوا موا چور -

بیگم - بس انہیں باتوں پر میں جھلا اٹھتی ہوں - پھر کہتی ہے چھوٹی بیگم مجھہ سے تیکھی رہتی ہیں - تیری باتوں سے میرا جی جلتا ہے -

نواب - تو کٹی کیوں مرتی ہو بھلا - چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہوجائے میرا آزاد میاں صف شکن علی شاہ کو لاھی چھوڑے گا - ہم جانتے ہیں - علمی بحث ہورہی ہے - اور پھر تم جانو علم تو وہ سمندر ہے جس کا اور نہ چھوز -

بیگم - (قہقہہ لگاکر) علمی بحث ہو رہی ہوگی - کیوں صاحب میاں صف شکن علی شاہ علم بھی جانتے ہیں (پھر قہقہہ) میں کہتی ہوں آخر اللہ نے تم کو کچھ رتی ماشہ تولہ عقل بھی دی ہے - موا بٹیر، ذری سا جنور کاکن کے تین دانوں میں پیٹ بھر جائے اُسکو آپ بوڑھے حافظ سے بھی زیادہ علم والا سمجھتے ہیں (پھر قہقہہ) میرے میکے کے پڑوس ایک سڑی سودائی دن رات واھی تباھی بکا کرتا ہے اُسکی اور تمہاری باتیں ایک سی ہیں -

سدا بہار - نا بیوی (دانت کے تلے انگلی دباکر) اُوئی کوئی ایسا کہتا ہے - اُس سودائی نگوڑے کو اِن پر سے صدقے کردوں - واہ وا -

نواب - تم سمجھی نہیں سدا بہار - ابھی الھڑ پنے ہی کے دن ہیں نہ ان کے - خدا کی قسم مجھے اِن کی یہی باتیں تو بھاتی ہیں - یہ کمسنی کا سبھاؤ ہے اور دو تین برس -

پھر یہ شوخی اور چلبلا پن کہاں - یہ جب جھڑکتی یا گھڑکتی ہیں تو جی خوش ہوجاتا ہے -

سدا بہار - ہاں ہاں پھر جوانی تو باؤلی ہوتی ہی ہے -

بیگم - اچھا سدا بہار سے کہو کہ اِس کو اپنے بڑھاپے کی قسم جو جھوٹ بولے - بھلا کیوں سدا بہار بٹیر لکھے پڑھے بھی ہوا کرتے ہیں - منہ دیکھی نہ کہنا اللہ لگتی کہنا۔

سدا بہار - بڑھاپا ! ہونھہ - بڑھاپا کیسا - بیوی بس یہی باتیں تو اچھی نہیں لگتی ہمیں - میں بوڑھی کا ہے سے ہوگئی - برا نہ ماننا تو کہوں آپ سے ابھی ٹانٹھی ہوں - اتنے میں غفور خدمتگار نے پکارا - فرخندہ ! اے بوا فرخندہ سرکار سے کہدو کہ پیچوان بھر رکھا ہے یہاں بھیجدوں یا بغیچہ میں رکھوں - حضور باہر نہ آئیں گے کیا -

نواب - وہ چاندی والی چھوٹی گڑگڑی بیگم صاحب کے واسطے بھر لاؤ - کل بسوان سے تمبا کو آیا ہے - وہی بھرنا اور پیچوان باہر لگادو ہم ابھی آئے - یہ کہکر نواب نامدار بیگم صاحب کے ہنسی ہنسی میں آہستہ سے ایک چٹکی لے کر مسکراتے ہوئے باہر تشریف لے گئے اور حالی موالی مصاحب رفقا ان کے جاتے ہی سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے - آداب بجالاتا ہوں - حضور کو رنش ہے - پیرو مرشد تسلیمات عرض کرتا ہوں - خدا وند مجرا عرض ہے حضور والا - چو طرفہ سے آداب و تسلیمات کے چھرے چلنے لگے -

خوجی - اف اس وقت ملک‌الموت سے سامنا ہوا - ایسا دھچکا لگا کہ کلیجہ بیٹھا جاتا ہے اور بے اختیار رونا آتا ہے - ہات تیرے گیدی چور کی -

نواب - کیوں خیر باشد؟

خوجی - پیرو مرشد اس وقت بٹیر خانے کی طرف گیا تھا وہاں -

نواب - اُف - (دھم سے گر پڑے)

مصاحبین - یا علی

نواب - بھئی دل بیقرار ہے - طبیعت بے لطف ہوگئی- خوجی میاں تم کو ہماری تشفی کرنا چاہئے تھی نہ کہ اُلٹے ایسی باتیں کرتے ہو جس میں ہمارے ہاتھہ پاؤں اور بھی پھول جائیں - اب شاہ جی سے ہاتھہ دھونا چاہئے - ہم جانتے ہیں کہ اُن کا وصال ہوگیا - اناللہ و انا الیہ راجعون -

رفقا - انا للہ و انا الیہ راجعون -

خوجی - (پینک سے چونک کر) اسی بات پر کچھ مٹھائی نہیں کھلواتے - منگواؤ تو کولی کی دکان کی مٹھائی -

نواب - کوئی ہے - اس مردک کی گردن تو ناپنا - ہم تو اپنی قسمتوں کو رو رہے ہیں یہ مٹھائی مانگتا ہے بے تکا نمکحرام -

خوجی - دیکھئے دیکھئے پھر میری گردن کند چھری سے ریتی جاتی ہے - میں مٹھائی کچھ کھانے کے واسطے

تھوڑا ہی منگواتا ہوں - میں تو اس لئے منگو اتا ہوں کہ فاتحہ پڑھوں-

نواب - شاباش - جی خوش ہو گیا - خوجی مجھے معاف کرنا بے اختیار نمک‌حرام کا لفظ نکل گیا تم بڑے -

مصاحب - حلال‌خور - حلال‌خور ہو -

اس پر وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ نواب صاحب لوٹنے لگے - اور بیگم صاحب نے گھر سے لونڈی کو بھیجا کہ دیکھنا تو یہ کیا ہنسی ہو رہی ہے -

نواب - بھئی کیا آدمی ہو واللہ روتے کو ہنسانا اسی کا نام ہے - خوجی بیچارے کو حلال‌خور ہی بنا دیا -

خوجی - حضور اب میں یہاں نہ رہوں‌گا - کیا بے وقت کی شہنائی سب کے سب بجانے لگے کہ توبہ ہی بھلی - افسوس صف شکن علی کا کسی کو بھی خیال نہیں -

اتنے میں نواب صاحب پلنگ کو روانہ ہوئے اور رفقا میں سے کوئی چانڈوخانہ پہنچا کوئی افیم گھولنے لگا -

رند ساغر نوش - فتنہ ہمدوش - ستم ایجاد - میاں آزاد سرا میں کھٹیا کی پاٹی پر مزے سے بیٹھے سرور کے ساتھ بلبل شاخسار معجز طرازی حضرت لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی جعل‌الجنتہ مشواہ کی یہ غزل بہ‌لحن داؤدی لہرا لہرا کر پڑھ رہے تھے اور اس سر مست صہبائے عرفان کے کلام سحرنظام پر آحسنت و مرحبا کہہ رہے تھے -

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیزست
ببانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز ست
در آستین مرقع پیالہ پنہاں کن
کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خون ریزست
عراق و فارس گرفتی بشعر خود حافظ
بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریزست

مقطع پر میاں آزاد لوٹ گئے اور عین حالت وجدان میں غلغلہ جزاک اللہ بلند کرنے لگے اور چارپائی سے دس دس اُنگل اُچھل پڑے۔ بار بار یہی شعر شیریں اور کلام رنگین زبان پر لائے کہ۔

عراق و فارس گرفتی بشعر خود حافظ
بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریزست

اتنے میں ایک بھڈری آ نکلا۔ ساعت بچاریں ساعت۔ شگن بچاریں شگن۔

بھڈری۔ (پوتھی سنبھال کر) تمہاری نواب صاحب کے یہاں بڑی تلاش تھی جی۔ تم گائب کہاں ہو گئے تھے اونٹ لے کے۔ اب میں جا کے کہوں گا کہ میں نے پرشن دیکھا تو نکلا کہ آجاد (آزاد) پانچ کوس کے اندر ہی اندر ہیں جب تم لپ دینی پہونچ جاؤ گے تو پھر ہمار چڑھتی کلاں ہو گی۔ تم کو بھی آدھوں آدہ بٹادیں گے مگر بھانڈا نہ پھوڑنا چڑھ باجی ہے۔ جو تم راضی ہو جاؤ تو چاندی ہے

آزاد۔ واللہ کیا سوجھی ہے۔ منظور لے بس اب تم جاؤ بھی دم کے دم میں پہنچتے ہیں۔

بھڈری نے پستک بغل میں داب کر راہ لی اور نواب کے یہاں دھر دھمکے -

خوجی - اجی جاؤ بھی تمہاری ایک بات بھی ٹھیک نہ نکلی اب کچھ حکم لگاتے ہو -

نواب - برسوں ہمارا نمک تم نے کھایا ہے برسوں ایک دو دن نہیں برسوں برسوں - اب اس وقت کچھ پرشن درشن بھی دیکھوگے یا باتیں ہی بناؤگے چکنی چپڑی -

بھڈری - وہ حکم لگاؤں کہ پٹ ہی نہ پڑے -

خوجی - اجی جاؤ بھی دیکھ لیا - بس زبانی داخلہ ڈینگئے ہو خاصے - کہیں کسی روز میں قرولی نہ بھونک دوں سوائے بے پر کی اڑانے کے اور بات سیکھی ہی نہیں - مرد آدمی سال بھر میں ایک دفعہ تو سچ بولا کرو -

مصاحب - واہ سچ بولتے تو قصائی کے کتے کی طرح پھول نہ جاتے -

نواب — یہ کیا واہیات گفتگو ہے ؟

بھڈری — ناہیں ہم سے اُن سے ہنسی ہوتی ہے - یہ ہمیں کہتے ہیں ہم انہیں - اب آپ کوئی پھول من میں لیں -

نواب — یہ ڈھکوسلے ہمیں اچھے نہیں معلوم ہوتے - ہمیں صاف صاف بتا دو کہ میاں آزاد کب تک آویں گے -

بھڈری - (کچھ بڑ بڑا کر) پانی کے پاس ہیں -

مصاحب — واہ آسوں برکھا گھم گھم برسے - واہ

استاد پانی کے پاس کی ایک ہی کہی لڑکی نہ لڑکا - دونوں طرح اپنی ہی جیت -

بھڈری — یہاں سے کوئی تیس کوس کے اندر ہی اندر ہیں جو نہ ہوں تو ناک کٹا ڈالوں -

خوجی — آؤ ناک ناک بدلتے ہین وہ منزلوں کی راہ ہیں سانڈنی کے کوڑے کئے ہونگے - گل چھرے اڑا رہے ہوں گے آپ تین کوس لئے پھرتے ہیں -

رفقا — حضور یہ بھڈری بڑا فیلیا ہے آپ تو پوچھتے ہیں کہ میاں آزاد کب آئیں گے - وہ کہتا ہے کہ تین کوس کے اندر ہی اندر ہیں - واہ رے جھپ جھائے سوائے جھوٹ سوائے جھوٹ -

بھڈری — تو بتاتے بتاتے بتائیں گے یا ایک دم سے بتادیں - سوچیں بچاریں بھی تو - لے ناک ناک کون بدتا ہے کاٹ ہی لوں گا - ناکے کے پاس گوندنی والی بغیہ میں میاں آجاد بیٹھے ہوں گے - جاؤ دیکھ لو - پوتھی جلا دوں ناک کٹا ڈالوں جو جھوٹ نکلے -

نواب — چابک سوار کو بلواؤ اور حکم دو کہ ابھی سرنگ گھوڑی پر سرپٹ جائے اور دیکھے میاں آزاد ہیں یا نہیں - ہوں تو اس بھڈری کا آج گھر بھر دوں - بس آج سے اس کا معتقد ہوجاؤں - چابک سوار نے بانکا منڈاسا باندھا اور سرنگ گھوڑی پر کاٹھی کس یہ جا وہ جا - پچاس ہی قدم گئے ہوں گے کہ گھوڑی بھڑکی اور عین

تیزی میں دوسرے نالے کی راہ لی - چابک سوار بہت اکڑے بیٹھے تھے مگر روک نہ سکے - دھم سے منہ کے بھل سڑک پر گھوڑی چمپت -

خوجی - حضور گھوڑی نے نادر علی خاں کو دے پٹکا اور کیا جانے کس طرف نکل گئی -

نواب- چلو خیر سمجھا جائیگا - تم شرغہ ٹانگن کسواؤ اور دوڑ جاؤ -

خوجی - پیرو مرشد میں تو بوڑھا ہوگیا اور رہی سہی سکت افیم نے لے لی - ٹانگن ہے بلا کا شریر کہیں پھینک پھانک دے - ہاتھ پاؤں ٹوٹیں تو دین و دنیا دونوں سے جاؤں- آزاد خود بھی گئے اور ہم سب کو بلامیں مبتلا کر گئے- حضور مجھے معاف کیجئے - شرغہ ٹرا ہوتا ہے اور یہ ٹانگن برسوں سے بندھا ہے اور کاٹ کھاتا ہے پشتک اچھالتا ہے دولتیاں جھاڑتا ہے - خدائی بھر کے عیب تو اُس میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں - میرا تو بھر کس ہی نکل جائیگا -

میاں آزاد ذرا ادھر اُدھر ٹہلنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے تھوڑی دور پر ایک پختہ مکان بنا ہے - مختصر موزوں - خوشنما اور دلکشا - ارد گرد گلبن بھی ہیں - دوب بھی چو طرفہ جمی ہوئی ہے، سڑک پر سرخی بھی کٹی ہے' شوق چرایا کہ دیکھیں، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے لکڑی ہلاتے پہنچے تو دیکھا کہ کسی کا مقبرہ سا ہے، اخاہ یہ کسی بڑے شخص کا مقبرہ ہے، کتبہ پڑھا تو یہ لکھا تھا -

شورے شد و از خواب عدم چشم کشو دیم
دیدیم که باقی ست شب فتنه غنودیم

مرزا پر انوار مقبول بارگاہ لم یزلی ولی حق آگاہ عارف باللہ حضرت صف شکن علیشاہ برد اللہ مضجعہ و انار اللہ برھانہ

پختہ مکان کی طرح سے ھے فکر گور بھی
انسان جان دیتا ھے آرام کے لئے

رھتا ھے آدمی کا نشاں اس جہان میں
بنتی ھے قبر بعد فنا نام کے لئے

اے خاک تیرہ خاطر مہماں نگاھدار
کیں نور چشم ماست کہ در بر گرفتۂ

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

میاں آزاد نے جو یہ پڑھا کھلکھلا کر ھنس پڑے، یہ کہئے یار لوگوں نے قبر بھی بنوادی، واللہ کیا کیا فقرے باز ھیں۔

ادھر چابک سوار نے شبدیز آھو شکار سے پٹخنی کھائی اُدھر ایک لونڈے نے تالی بجائی؛ مگر واہ رے شہسوار کچومر نکل گیا لیکن وھی خم و دم گرد پیچھے جھاڑی پھاے نواب کے اصطبل میں گئے اور ایک خوشخرام و تیز گام کمیت پر کاٹھی کس سوار ھوتے ھی کڑ کڑا دیا، ھوا سے باتیں کرتے جارھے ھیں چلتے چلتے گوندنی والی بغیہ میں دھم سے جا کودے، دیکھا تو سانڈنی پر کا کریزی جھول جھلک رھی ھے، اور اونٹنی گردن جھکائے چو طرفہ مٹک رھی ھے، پکارا میاں آزاد! میاں آزاد! ھوت، اخاہ، آپ ھیں، آئے ذرا بغلگیر تو ھوجئے،

مصافحہ معانقہ دونوں میں سے ایک تو ہو، بسم اللہ کہئے مزاج عالی، اجی ہمارے مزاج کی نہ پوچھو، گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ، ابھی شیطان انگلی دکھائے تو دلی ہو رہیں وہاں وحشت ٹیٹوالے تو دھما کے سے جبلپور پہنچیں، آپ کہئے نواب کے یہاں تو خیریت ہے، جی ہاں، خیر صلاح کے ڈھیر ہیں، مگر آپ کی راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں، ارے میاں کچھ اور بھی سنا اُس بٹیر کی قبر بنائی گئی ہے، سمجھے صاحب یہ سامنے وہی تو ہے واللہ لانا تو ہاتھ، یار تمہاری ہی کسر تھی، کہو ہم نے سنا خوب گلچھرے اڑائے چلو پھر اب نواب نے یاد کیا ہے، ایں! انہیں ہمارے آنیکی کہاں سے خبر ہوگئی بھئی، اجی اب یہ ساری داستان راہ میں سنا دیں گے، اچھا تو پہلے آپ ہمارا خط نواب کے پاس لے جائیں، لائیے ایک نہیں دس۔

میاں آزاد نے تڑ سے خط کھینچ ڈالا۔

آج قلم کی باچھیں کھلی جاتی ہیں، دماغ فلک الافلاک پر ہے، سینہ تختۂ گل بن گیا، اور کیوں نہ ہو، میاں صف شکن علی شاہ حق آگاہ قدس سرہ الشریف کی سواری آتی ہے، حضور کے نمک کی قسم اِدھر تحت الثری اُدھر نہ کرسی آسمان تک ہو آیا تب کہیں جا کے کھوج پایا، شاہ جی صاحب ہر روز ڈاڑھیں مار مار کر روتے ہیں اور الحق مر الحق مر کیا کرتے ہیں

سنیئے حضور پر نور، بندۂ جاں نثار نے وہ کام کیا ہے

که خلعت دیجئے انعام و اکرام دیجئے، زر و جواہر دیجے، زر و جواہر میرے اوپر سے صدقہ کیجے، اللہ اللہ یہ کارنمایاں کیا کہ صف شکن علی شاہ غازی کو سمجھا بجھا منا منو کر لے آیا، بڑی بڑی دلیلیں چھانٹتے تھے پہلے فرمایا کہ ع - دریں بزم رہ نیست بیگانہ را، میں نے چھوٹتے ہی جواب دیا کہ شاہ جی، ع کہ پروانگی داد پروانہ را، کھلکھلا کر ہنس پڑے اور اشارہ سے بلا لیا، روبرو گیا تو خدمت گار سے کہا، ع رمضانی مگساں می آیند میں نے بڑھکر عرض کیا کہ پیر و مرشد! ع ناکساں پیش کساں می آیند، پیٹھ ٹھونکی اور فرمایا کہ شاباش برخوردار نواب صاحب کی صحبت میں آپ بہت برق ہوگئے ہیں، الغرض کامل دو ہفتے تک مجھ سے بحث رہی، آخر کار فرمایا کہ تمھاری سر مغزن سے یاد الہی میں فتور پڑتا ہے، میں نے قدم لئے اور دست بستہ عرض کیا کہ آپ چلئے ورنہ میں زہر کھاکر مرجاؤں گا، مجھے سمجھایا اور کہا دیکھو یہ زندگی عطیۂ یزداں ہے، اِس کو مفت میں رائگاں کرنا خلاف عقل و سعادت ہے، مگر خیر تمھاری خاطر سے چلتا ہوں، لیکن وہ خوجی جو نواب صاحب کے مزاج میں دخیل ہیں اُن سے میری طبیعت نفور ہے -

میں ایک شرط سے چلتا ہوں کہ جس وقت میں وہاں پہنچوں تو نواب صاحب کے سامنے خوجی پر بیس مشکیں پڑیں - عرض کیا بیس نہیں - بائیس فرمایا کہ قول دو - عرض کیا قول جان کے ساتھ ہے - تب کہیں آئے - اب آپ لوگوں کو ٹھاٹھ

سے بھیجئے تو دھوم دھام سے میاں آزاد کو ساتھ لائیں اور اہل شہر اُن کی زیارت سے استفادہ اٹھائیں - میں بالکل چرمر ہوگیا ہوں - لیکن حضور کا سایۂ دامن مجھے کافی ہے - لے اب جلوس جلد بھیجئے تو شاہ جی صاحب تشریف لائیں - یہ خط لیکر چابک سوار روانہ ہوا -

نواب کا کامل فن شہسوار شبدیز باد رفتار کو ران تلے دبائے باگ اُٹھائے آسن جمائے مہمیز کا اشارہ کرتا اکڑتا بررتا کھٹا کھٹ جارہا تھا اور پھٹا پھٹ کوڑے جما رہا تھا - اصیل گھوڑا اور اُس پر کوڑا تاب کہاں - بلا کی طرح جھپٹا بگولا بن گیا - یہی معلوم ہوتا تھا کہ دریا لہریں مارتا ہے - ہوا بھی مقابلے کو آئے تو پچھاڑیں کھاکے اُس کی گرد تک کو نہ پائے - کیوں نہیں - نواب کے اصطبل کے گھوڑے خاصے کے گھوڑے پریزاد گھوڑے دیو نژاد گھوڑے ہیں کہ باتیں - الغرض میاں آزاد کا خط لیکر چابک سوار نواب کی خدمت میں حاضر ہوا -

چابک سوار - مجرا عرض ہے -

نواب - سلام - کہو بیٹا کہ بیٹی - جلدی سے بولو - یہاں پیٹ میں چوہے چھوٹے ہوئے ہیں -

چابک سوار - حضور غلام نے راہ میں دم لیا ہو تو جریمانہ دوں - بس گھوڑے کی پیٹھہ پر آیا اور کڑ کڑا دیا -

خوجی - کتنے بے تکے ہو میاں - سوال دیگر جواب دیگر - کہیں کھیت کی سنیں کھلیان کی - بھلا اتنی کارگزاری

جتانے کا یہ کون موقع ہے - بھئی آزاد کا پتہ بتاؤ - مارے مشیخت کے دبلے ہی ہوئے جاتے ہیں -

چابک‌سوار - حضور گوندنی والی بغیہ کے پاس زین پوش بچھائے بیٹھے ہیں اور حضور کو یہ عرضی دی ہے -

نواب - لاؤ لاؤ لاؤ بھئی لاؤ کہیں لاؤ تو - منشی صاحب کو آواز دینا -

منشی تسلیمات عرض کرتا ہوں پیر و مرشد -

منشی صاحب نے خط پڑھنا شروع کیا تو حاضرین جلسہ کا رنگ فق ہوگیا -

ع - کاٹو تو لہو نہیں بدن میں -

خوجی - خداوند جان بخشی ہو تو غلام کچھ عرض کرے -

نواب - جان بخشی کیسی ؟ آج تو وہ خوشی ہے کہ بادشاہ قیدیوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہاں تو اس وقت شادی مرگ کی نوبت ہو گئی ہے - قدوسیوں نے لاہوت پر وہ نہ دیکھا ہوگا - جو ہم نے اِن آنکھوں سے اس دارالغرور میں دیکھ ڈالا - ایسی خوشی کے وقت جان بخشی بھی کیسی بے تکی بات ہے - کہو نا -

خوجی - پیر و مرشد - اور تو میاں آزاد نے جو کچھ لکھا اس میں رتی بھر فرق نہیں مگر غلام کا جو حال لکھا ہے وہ سب ڈھکوسلا ہے جو ذری بھی اصلیت ہو تو ہاتھ کٹا ڈالوں -

بھڈری - بس بیٹھے رہئے تم پہلے بھی تو ناک کٹاتے تھے - اب کاٹ لو جڑ سے ناک - ہجور غلام کا پرشن کیسا ٹھیک

نکلا - جو ہے سو مانو نشانے پر تیر - کھٹ دینی بیٹھہ گیا -

نواب - ہاتھی - گھوڑا - جاگیر - انعام اکرام خلعت جو کہو دیں گے مگر ذرا میاں آزاد کو آنے تو دو - کیوں بھئی رمال نے تو بیان کیا تھا کہ صف شکن علی شاہ کے دشمن خدا نخواستہ داخل خلد ہوئے یہ میاں آزاد کو کہاں سے مل گئے حیرت ہے - کیوں میر صاحب واللہ اعلم یہ کیا اسرار ہے -

میر صاحب - خداوند اس کی کنہ حقیقت تک پہنچنا امر محال ہے - جناب باری کے قصر رموز کا کنگرۂ رفیع اس درجہ بلند ہے کہ اس کے لب بام تک کمند اوہام کا پہنچنا دشوار ہے - از بس دشوار ہے - ماعرفنا حق معرفتک - ماعبدنا حق عبادتک -

ہے تجھہ کو جنوں کی قسم اے جذب محبت
اس نور تجلی کی جھلک مجھہ کو دکھادے

نواب قمر رکاب نے کل رفقا اور مصاحین اور حوالی موالی کو بلا کر حکم دیا کہ اصطبل کے سب ترکی - عربی = تازی گھوڑے اور فیل خانے کے دیو نژاد مستیوں کی دھت ہاتھی اور فٹن اور بگھیاں اور خواص بردار اور جھنڈی بردار سپاہی جتنے ہماری سرکار میں ہیں سب سے کہو لیس ہورہیں اور شہر بھر کے امیروں اور رئیسوں سے جلوس طلب کرلو اور سجا کر جاؤ - صف شکن علی شاہ کو ساتھ ہی لے آؤ مگر انتظام ایسا ہو کہ لوگ دور دور تک تعریف

کریں - سب چیزیں اپنے اپنے قرینے سے - انگریزی باجا ضرور ہو -

خوجی - اے پیرو مرشد انگریزی باجا تو آجکل دھوبیوں، بھنگیوں تک کی برات کے ساتھ ہوتا ہے اس میں کیا منت ہے رہا جو دھوم دھام چاہتے ہوں حضور تو غلام کو مقرر کیجئے اور میر صاحب کو میری نیابت میں دیجئے - پھر مزہ دیکھئے انتظام کا -

میر صاحب - جی بجا ہے - یہاں بادشاہوں کی مصاحبتیں کیا کئے ہیں اور آپ کے نائب ہوں -

نواب - اچھا تم دونوں مل جل کر انتظام کرلو -

پھر کیا تھا اتنا اشارہ پانا تھا کہ لگے ہاتھوں سب بند و بست ہو گیا - کیل کانٹے سے درست - چھوٹی بیگم کوٹھے پر کھڑے جلوس دیکھ رہی ہیں اور دل ہی دل میں ہنس رہی ہیں کہ نواب کے دماغ پر گرمی چڑھ گئی ہے - اس وقت کوئی خوجی کو دیکھتا ہے دماغ ہی نہیں ملتے تھے - اس کو ڈانٹ اُس کو ڈپٹ کسی پر دھول جمائی کسی کو چانٹا رسید کیا - اس کو پکڑ لاؤ، اس کو گرفتار کرو - کبھی مشعلچی کو گالیاں دیں کبھی پنشاخے والے کو بے نقط سنائیں -

الغرض جد و جہد اور اہتمام بلیغ کے بعد جلوس اس ترتیب سے چلا، سب کے آگے نشان کا ہاتھی، اُس کے بعد ہندوستانی باجا، اُس کے بعد آرائش پھولوں کے تخت چمیلی

اس کے بعد انگریزی باجا تال سم سر سے درست، اس کے بعد گھوڑے، کمیت کاٹھیاوار، کچھ سرنگ، کرنگ، نقرہ، خنگ کمیت سبزہ و پیلا، چھم چھم کرتے ہوئے جا رہے ہیں - دو دو آدمی تعینات گھوڑے دلہن بنے ہوئے - اس کے بعد پھر ارگن باجا غول کے غول، اس کے بعد تامدان فنس، پالکی، نالکی - سکھپال - اس کے بعد پھر باجا - اس کے بعد پریوں کے تخت نازنینان عربدہ جو اور پری پیکران عنبر مو تختوں پر تھرک رہی ہیں - صدھا تماشائی ان کے شمع رخسار کے پروانے ہیں - اس کے بعد روشن چوکی والے ستم ڈھا رہے ہیں - اس کے بعد ہاتھیوں کی قطار جھومتے جھامتے سونڈ سے کھیلتے جاتے ہیں - روشنی کا انتظام بھی چوکس تھا - پنشاخے اور لالٹینیں جھک جھک کر رہی تھیں - سوئی گرے تو اٹھا لیجئے - رائی کا دانہ صاف نظر آئے اس ٹھسے سے برات چلی - ارے توبہ - برات کیسی جلوس چلا کہ میاں صف شکن علی شاہ کو لائیں -

اب سنئے کہ میاں آزاد اپنی سانڈنی پر سوار صف شکن علی شاہ کو کابک میں بٹھائے سڑک پر ڈٹے ہوئے تھے - ایں - صف شکن علی شاہ کہاں سے آگئے - اجی کسی اٹیر بٹیر کو ادھر اُدھر سے خرید لیا ہوگا - نا صاحب وہی صف شکن - ناظرین کو یاد ہوگا کہ میاں آزاد نے اور سب بٹیروں کو تو اڑا دیا تھا مگر صف شکن علی شاہ کو چھپا رکھا تھا - اب موقع پر ان کو نکالا - خیر خوجی آتے ہی اُن سے بغلگیر ہوئے

اور میر صاحب گلے ملے اور غفور خدمتگار نے سلام کیا اور رفقاو مصاحبین سے مصافحہ ہوا -

خوجی - مثل مشہور ہے کہ سو برس بعد گھورے کے بھی دن پھرتے ہیں سو ہمارے تو آج دن پھرے کہ آپ آئے اور شاہ جی کو لائے - نواب کے یہاں سناٹا پڑا ہوا تھا - وہ چہل پہل ہی نہیں وہ دل لگی ہی نہیں - صف شکن کے سوگ میں سب پر مردنی چھائی تھی - نواب چونک پڑتے تھے - کھٹ ہوا اور پوچھا آزاد آئے - دھم ہوا اور کنمنائے مگر آپ نہ آئے نہ آئے - حاسدوں نے تو جڑ دی تھی کہ حضور وہ سانڈنی وانڈنی لے کر لمبے ہوئے کیسے آزاد اور کہاں کے صف شکن؟ وہ پہنچے یہاں سے سو منزل پر - مگر یار ہم تمہارا جنبہ کرتے تھے -

میر صاحب - جی ہاں اور ہم بھی آپ ہی کی طرف سے لڑتے تھے - ہم اور خواجہ صاحب دونوں -

آزاد - بھائی کچھ پوچھو نہیں - واللہ آسمان میں تھگلی لگائی تب کہیں ان کی زیارت نصیب ہوئی - خدا جانے کن کن جنگلوں میں جانے کا اتفاق ہوا - اور وہاں کیا کیا افتادیں پڑیں -

خوجی - جی اس میں کیا شک ہے حضرت - یہاں لوگوں نے وہ گپیں اڑائی نہیں کہ توبہ ہی بھلی - کسی نے کہا بھانڈوں کے یہاں نوکری کرلی - کوئی طوفان باندھتا تھا کہ بھٹیاری کے گھر پڑ گئے - مگر سب بہتان - لوگ تہمتیں

تراشتے تھے - لیکن اب سب نے منه کی کھائی هات تیرے گیدی کی -

خلاصه یه که خوجی اور میر صاحب اور رفقا اور مصاحبین سب کے سب مل کر میاں آزاد کو چیتے یار بناتے تھے مگر همارے آزاد ایک هی استاد - ان مردکوں کی قبر تک سے واقف تھے خوب سمجھے که اب نواب کے یہاں جو همارا طوطی بولے گا اس سے یه سب همارے یار چے بن رهے هیں - تھوڑی دیر تک خوب گھل گھل کر باتیں هوئیں تو میاں آزاد نے کہا حضرت اب رات جاتی هے یا آتی هے چلئے نه بس اب انتظار کس کا هے - اچھا بسم‌الله کیجئے - پنشاخے چڑھاؤ لالٹینیں جلاؤ گھوڑے چلاؤ-هاتھی کے پرے جماؤ-باجا بجاؤ - تامدان بڑھاؤ - سب قرینے سے لگاؤ - جب جلوس آراسته هوا تو میاں آزاد ایک فیل فلک شکوه پر جاڈٹے اور صف شکن علی شاه کی کابک کو آگے رکھه لیا - خوجی اور میر صاحب کو حکم دیا که خواصی میں بیٹھیں - هائیں ! واه هم بھی کوئی چوڑے چمار چرکٹے هیں جو خواصی میں بیٹھیں گے - آپ بھی خوب کہتے هیں - لوگوں نے سمجھایا که اجی کچھ واهی سے معلوم هوتے هو بیٹھه نہیں لیتے خواصی میں - کیا مشیخت میں بٹا لگے گا یا شان کرکری هوگی - خیر، قہر درویش برجان درویش - دونوں کے دونوں پیچھے بیٹھه لئے اور جلوس چلا - شہر میں تو پہلے هی سے هلڑ نها که نواب والا بٹیر بڑے ٹھسے سے آرها هے - لاکھوں آدمی چوک

میں تماشا دیکھنے کو ڈٹے ہوئے تھے - چھتیں پھٹی پڑتی تھیں - وہ بھیڑ بھڑکا کہ شانہ سے شانہ چھلتا تھا - باجے کی آواز جو کانوں میں پڑی تو تماشائی چشم در راہ انتظار ہوئے -

نشان کا ھاتھی جھنڈے کا پھریرا اڑاتا اٹکھیلیاں کرتا سامنے آیا - پھولوں کے تخت آگے تھے - انگریزی باجے نے کانوں کو سرور نازنیان پریوش کے رخ انور نے آنکھوں کو نور بخشا -

—:o:—

گزشتہ لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت

معاشرت میں پانچویں چیز نشست و برخاست ہے - ہر متمدن قوم میں نشست و برخاست کے مختص قوانین اور اصول موضوعہ ہوا کرتے ہیں۔اور انہیں سے اس قوم کی ترقی و تہذیب کا درجہ قائم ہوا کرتا ہے - اگر آپ عیسائیوں کے متمدن شہروں پیرس - لندن - اور برلن میں یا مسلمانوں کے مہذب بلاد قسطنطنیہ - طہران - اور شیراز میں جائیے اور وہاں کے مہذب لوگوں کی صحبت میں شریک ہوجئیے تو نظر آئے گا کہ ان میں نشست و برخاست کے اخلاقی قوانین کس قدر سخت ہیں - مگر ہندوستان کے بڑے تاجرانہ شہروں میں آپ جائیں اور وہاں کے امراء معززین سے ملیں تو آپ کو اخلاقی قوانین تہذیب کا بالکل پتہ نہ چلے گا - مگر اُن شہروں میں جہاں کوئی خاص دربار قائم ہے یا رہ چکا ہے - مثلاً حیدرآباد دکن۔ بھوپال اور رامپور وغیرہ معزز وطنی درباروں کے قائم ہونے کی برکت سے عوام و خواص سب میں حفظ مراتب

کے قواعد نظر آئیں گے - بخلاف تاجرانہ شہروں کے جہاں تمیز داری ادب اور حفظ مراتب کا نام و نشاں بھی نہ ہوگا -

دھلی میں اگلے دنوں یہ اخلاقی اصول یقیناً سب جگہ سے زیادہ بڑھے ہوئے ہوں گے - اس لئے کہ وہاں کا دربار سب سے بڑا تھا اور صدیوں سے قائم چلا آتا تھا - مگر وہاں تجارت پیشہ اقوام کے سوسائٹی پر غالب آنے کی وجہ سے اگلی ساری تہذیب خاک میں مل گئی - نشست و برخاست کی بنیاد امارت ریاست اور حکومت سے پڑتی ہے - حکومت و ریاست بتاتی ہے کہ چھوٹوں کو بڑوں سے اور بڑوں کو چھوٹوں سے کیونکر ملنا چاہئے - اور برابر والوں سے کیسا برتاؤ کرنا چاہئے - مگر تجارت کو ان امارت کے چوچلوں اور اخلاقی تکلفوں سے دشمنی ہے - وہ معاملات اور خود غرضی کے آغوش میں پلتی ہے - اور سلف سیکری فائس یعنی اپنے وقت اور اپنے روپئے اپنے ہنر اور اپنی دولت کو بے وجہ کسی پر قربان کردینے کو حماقت اور لغویت بتاتی ہے بخلاف اس کے ریاست کا جوہر یہ ہے کہ بے غرضی کے ساتھ اپنے طرفداروں یا قابل لوگوں سے مراعات کیجئے اور اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ جہاں تجارت کو فروغ ہوگا اور تاجروں کی معاشرت خوش باش امیروں اور شریفون کی معاشرت پر غالب آجائیگی وہاں کوئی اخلاقی قانون نہیں باقی رہ سکتا - چنانچہ اس چیز نے دھلی کے اگلے عظیم‌الشان

درباروں کی ساری آن بان مٹا کے رکھه دی - اور وہ بات نہیں باقی رھی جو اُسکی ناموری کی تاریخ کے شایاں تھی -

دهلی کی تہذیب کو جب تاجروں کا هجوم تباہ کرنے لگا تو اس نے اپنے قدیم وطن سے بھاگ کے لکھنؤ کے چھوٹے دربار میں پناہ لی جو اگرچہ چھوٹا تھا مگر اس کی سواد میں داخل هونیکے بعد کسی کو نظر نہ آسکتا تھا کہ دنیا میں یہاں سے بڑا کوئی اور دربار بھی هے -

پھر یہاں آزادی سے بیٹھه کر شرفائے دهلی نے اپنے قوانیں نشست و برخاست کو برتنا شروع کیا تو چند هی روز میں یہ حالت هوگئی کہ اکیلا لکھنؤ هی سارے هندوستان میں تہذیب و شائستگی اور آداب نشست و برخاست کا مرکز تھا - اور تمام شہروں کے مہذب لوگ اهل لکھنؤ کی تقلید اور پیروی کر رهے تھے - ان مراتب کا قائم کرنا کہ کس شخص کا استقبال دروازے تک آکے کرنا چاهئے کس کے لئے فقط کھڑے هو جانے کی ضرورت هے - کس کے لئے نیم خیز هوکے اور کس کے لئے اپنی جگہ پر بیٹھے هی بیٹھے ,, آئیے - تشریف لائیے ،، کہدینا کافی هے - زیادہ تر اپنے دلی فیصلے اور اجتہاد پر موقوف هے - اور اجتہاد کا جیسا ملکہ لکھنؤ کے مہذب شرفا کو حاصل هے کسی کو نہیں -

یہاں کوئی برابر والا آئے تو کھڑے هو کے تعظیم دیں گے - اس کے لئے بہترین جگہ خالی کریں گے - اور جب تک وہ بیٹھه نہ جائے گا خود نہ بیٹھیں گے - اس کے سامنے

ادب اور تمیز داری سے بیٹھیں گے - چہرہ بشاش رکھیں گے تاکہ اس کو کسی قسم کا تنغص نہ ہو - جب وہ کوئی چیز دے گا تو ادب سے تسلیم کرکے لیں گے - اس کا پورا خیال رکھیں گے کہ ہماری کوئی حرکت اُسے ناگوار نہ ہو - اور اُس کی صحبت میں کسی اور ضروری کام کی طرف توجہ کریں گے تو اس سے معذرت خواہ ہوکے اور معافی مانگ کے توجہ کریں گے - کہیں اٹھہ جانیکی ضرورت پیش آئے گی تو اس سے اجازت لے کے جائیں گے - اگر اُس کے ساتھ جانے کی نوبت آئے تو راستے میں اُس کے پیچھے رہیں گے اور اُسے آگے بڑھائیں گے - اصول تہذیب کی پابندی میں وہ بھی اصرار کریگا ،، پہلے آپ تشریف لے چلیں،، لیکن ادھر سے بار بار یہی کہا جائیگا کہ ،، جناب آگے تشریف لے چلیں ،، - میں کس قابل ہوں،، -اور اگر وہ کسی طرح نہ مانے اور مجبور ہی کردے تو شکر گزاری میں آداب بجا لاکے آگے قدم بڑھائیں گے بھی تو اس انداز سے کہ اُس کی طرف پیٹھہ نہ ہو - اکثر لوگ ان آداب کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور ضرب المثل ہوگیا ہے کہ چند لکھنؤ والے ،، پہلے آپ ،، ،، پہلے آپ ،، کہتے رہے اور ریل چھوٹ گئی - چنانچہ دونوں اسٹیشن پر پڑے رہ گئے - اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر چیز کا اعتدال سے گزر جانا بدنما اور مضر ہوتا ہے - مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آداب معاشرت کی نگہداشت اہل لکھنؤ کے اخلاق میں اس حد کو پہنچ گئی

ہے کہ اُن کے برتنے میں انھیں ضرب پہنچ جانیکا بھی خیال نہیں رہتا جو لوگ تہذیب و شائیستگی سے معری ہیں جو اعتراض چاہیں کریں لیکن ایک مہذب و شائستہ آدمی ان باتوں کو بجائے عیب کے اخلاقی جوہر تسلیم کریگا ۔ اب تو سب شہروں کی طرح یہاں بھی میز کرسیوں اور انگریزی فرنیچر کا رواج ہوگیا ہے مگر پہلے نشست فرش کی تھی جو حسب حیثیت و دولت قیمتی اور پر تکلف ہوا کرتا ۔ اگر کوئی ہم رتبہ غیر یا بزرگ اور واجب التعظیم شخص آجاتا تو اسے گاؤتکیہ کے آگے بٹھا کے سب لوگ حاضرین صحبت کی تعداد کے مطالق چھوٹا یا بڑا حلقہ باندہ کے مؤدب اور دو زانو بیٹھ جاتے ۔ جس کسی سے وہ بات کرتا وہ شخص ہاتھ جوڑ کے نہایت ہی فروتنی سے جواب دیتا ۔ اور اس کے سامنے زیادہ باتیں کرنا یا اپنی آواز کو اس کی آواز پر بلند کرنا اخلاقی جرم خیال کرتا ۔ لیکن اگر سب برابر والے حریفان صحبت اور یاران ہم مذاق ہوتے تو نشست میں بے تکلفی رہتی اور باوجود ہم رتبہ و ہم سن ہونے کے بے تکلفی پر بھی سب ایک دوسرے کا ادب کرتے ۔ اس کا خیال رہتا کہ کسی کی طرف پیٹھہ نہ ہو ۔ اور کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جس سے کسی کی سبکی یا اُس کی عزت کرنے سے بے پروائی ثابت ہو ۔ نوکر اور خدمتگار پاس یا اس فرش پر نہ بیٹھہ سکتے جس پر یاران صحبت بیٹھے ہوتے ۔ وہ تعمیل احکام کے لئے سامنے ادب سے

کھڑے ہوتے یا نظر سے غائب کسی قریب ھی ایسے مقام پر ٹھہرتے جہاں تک آواز پہنچ جائے اور ان کا ہر وقت کھڑا رہنا یا زیادہ باتیں کرنا بدتمیزی سمجھا جاتا ۔

وہ خاصدان یا حقہ لا کے لگاتے تو صاحب خانہ اپنے ھاتھ سے دوستوں کے سامنے بڑھاتا اور وہ اٹھ اور تسلیم کر کے لیتے ۔ بے تکلفی کی صحبتوں میں خردوں کا بے ضرورت آنا نا مناسب تھا ۔ اگر کبھی ضرورت سے وہ آجاتے تو باک آگے دوستوں کو نہایت ھی ادب سے جھک کے آداب بجالاتے ۔ اور ان کے آتے ھی بزرگوں کی صحبت بے تکلف سے مہذب بن جاتی ۔ اور جس طرح وہ خرد سب کی بزرگی کا ادب کرتا اسی طرح بزرگ اُس کی خردی کا پاس کرکے اپنی بے تکلفیاں چھوڑ دیتے ۔

یہاں کی صحبت میں روز کے ملنے والوں سے مصافحے یا معانقے کا رواج نہ تھا ۔ مصافحہ مقتدایان قوم کی دست بوسی تک محدود تھا ۔ اور معانقہ صرف ان دوستوں کے لئے تھا جو کسی سفر سے واپس آئیں یا مدت کے بعد ملیں ۔ زنانے میں مرد جاتے تو عورتوں کا احترام کرتے ۔ اُن کے سامنے ممکن نہ تھا کہ وہ زیادہ بے تکلفی برتیں یا اُن میں زیادہ نشست رکھیں ۔ میاں بیوی میں بے تکلفی لازمی تھی ۔ لیکن گھر کی بزرگ عورتوں کے سامنے وہ بھی ہرگز بے تکلف نہ ہوتے ۔ دیہات کے شرفاء میں معمول تھا کہ نئی دلہن جب تک چار پانچ بچوں کی ماں نہ ہو جائے گھر کی تمام عورتوں کے سامنے شوہر

سے پردہ کرتی - اور مجال نہ تھی کہ کوئی عزیز مرد یا عورت اُسے شوہر کے پاس یا شوہر کو اُس کے پاس جاتے دیکھ لے یہ سختی شہر کے شرفاء میں نہ تھی - شہر کے خاندانوں میں میاں بیوی ابتدا ہی سے ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے - مگر یہ معیوب تھا کہ ماماؤں اور پیش خدمتوں کے سامنے بھی باہم بے تکلفی اختیار کریں - عورتوں کی باہمی صحبت سوا بڑے بڑے امیروں کے گھرانے کے نسبتاً بے تکلف رہتی - اُن میں مہمان آنے والی بیویوں کے ساتھ ایک معتدل درجے تک تکلف رہتا - مگر اس تکلف کے ساتھ خلوص و یکجہتی کا اظہار زیادہ ہوتا -

نشست و برخاست ہی کے سلسلے میں ہمیں یہ بھی بتا دینا چاھیئے کہ یورپ یا عرب و عجم کی طرح ہندوستان میں باہم ملنے جلنے اور لطف صحبت اُٹھانے کے لئے کلبوں اور سوسائٹیوں کا رواج نہ تھا - یورپ میں ہر جگہ ایسے کلب یا ایسی سوسائٹیاں قائم ھیں جن میں جا کے لوگ احباب اور ہم مذاق لوگوں سے ملتے اور اُن کی صحبت سے لطف اٹھاتے ھیں - عربوں، ایرانیوں، اور ترکوں میں چاء خانے یا قہوہ خانے میل جول اور مبادلۂ خیالات کا ذریعہ بن گئے ھیں جس طرح آپ دیکھتے ھیں کہ جس جگہ دو چار انگریز ہوتے ھیں وہاں اپنا ایک کلب قائم کر لیتے ھیں اور فرصت کے اوقات میں وہاں جا کے اخبار پڑھتے اور احباب سے ملتے ھیں - اسی طرح جس شہر میں ایرانیوں اور عربوں کی کافی تعداد ہوتی

ہے وہاں اُن کا کوئی چاء خانہ یا قہوہ خانہ کھل جاتا ہے اور اس میں جس وقت دیکھئے ان کا کوئی نہ کوئی گروہ ضرور موجود ہوتا ہے جو وہاں چاء اور حقے پیتے۔ کھانے کھاتے اور ساتھ بیٹھ کے غپیں اڑاتے ہیں - بخلاف اس کے ہندوستان میں کبھی اس قسم کے کلبوں یا چاء خانوں کا رواج نہ تھا اور نہ آج تک ہے - سرکار انگریزی نے جا بجا شہروں میں اس مذاق کے پیدا کرنے کی کوشش کی - بڑے بڑے مصارف کا بار اُٹھا کے چاء خانے کھلوائے - مگر کامیابی نہ ہوئی - آج سے تیس پینتیس سال پیشتر خاص لکھنؤ کے چوک میں میر محمد حسین صاحب مرحوم ڈائرکٹر زراعت و تجارت ریاست نظام نے حیدر آباد جانے سے پہلے گورنمنٹ کی اعانت سے ایک چاء خانہ کھلوایا تھا جس میں فرنیچر بھی اچھا تھا اور سوا ناجائز چیزوں کے ہر قسم کے مشروبات تیار رہتے تھے مگر کسی نے توجہ نہ کی اور آخر میر صاحب کو نقصان اُٹھا کے اُسے بند کر دینا پڑا۔

یہاں کا پرانا مذاق صحبت یہ ہے کہ ہر محلے میں یا آبادی کے ہر حلقے میں کوئی خوشحال یا دولت مند شخص اپنے گھر میں لوگوں کے آنے اور اُٹھنے بیٹھنے کا سامان کرتا ہے - احباب کی تواضع و خاطر داشت کے لئے حقے پان وغیرہ ضروری چیزوں کو وہ اپنے ذاتی مصارف سے مہیا کرتا ہے اور اُس کے ہم مذاق بلا ناغہ اور پابندی سے آتے ہیں - دیر تک صحبت رہتی ہے بذلہ سنجیاں اور

لطیفہ گوئیاں ہوتی ہیں۔ اور جب تک صحبت قائم رہے حقے پان سے تواضع ہوتی رہتی ہے۔ اور پھر ندیمان صحبت کے مذاق کے اعتبار سے ان کی محفلوں کا رنگ بھی بدلتا جاتا ہے۔ ارکان محفل اگر ادب اور شعر و سخن کا مذاق رکھتے ہیں تو شاعری نثاری اور سخن آفرینی و سخن سنجی کا چرچا رہتا ہے۔ اگر وہ علماء و فضلاء ہیں تو عالمانہ مذاق کے ساتھ علمی مباحث چھڑتے ہیں۔ اگر مہذب امراء کی صحبت ہے تو وضع و لباس سامان عیش۔ کھانے پینے اور ہر چیز کے برتنے اور ہر مذاق کے اختیار کرنے میں انتہا درجے کی نفاست و شائستگی اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ تمیز داری ظاہر کی جاتی ہے۔ اگر رنگین مزاج عیاشوں کی صحبت ہے تو اُس میں بازاری مہ لقائیں بھی شریک ہوتی ہیں۔ اور ناز آفرینی و ناز برداری کی ادائیں نظر آتی ہیں۔ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یورپ کی طرح یہاں مردوں کی کسی صحبت میں شریف و پاکدامن عورتیں نہیں شریک ہوسکتیں۔ اور احباب کی محفل میں جب کوئی عورت نظر آجائے تو یقین جان لیجئے کہ وہ عصمت فروش بازاری رنڈی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کی صحبتوں میں شریف و شائستہ عورتوں کے شریک ہونے کی وجہ سے بازاری عورتوں کا درجہ اور مرتبہ سوسائٹی میں اس قدر گرگیا کہ کسی شریف خاندان کا دروازہ اُن کے لئے نہیں کھل سکتا اور نہ شرفاء کے کلبوں اور سوسائیٹیوں میں وہ قدم رکھ سکتی ہیں۔ بخلاف اس کے ایک حدتک سارے ہندوستان میں اور

اسی طرح لکھنؤ میں بازاری عورتوں کو یہ رتبۂ حاصل ہو گیا کہ مہذب و شائستہ امراء کی محفلوں میں ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھیں۔ اور یہاں اس مذاق میں یہاں تک ترقی ہوئی کہ بعض معزز رنڈیوں نے بھی اپنے اپنے گھروں میں ایسی ھی نشست و برخاست کی صحبتیں قائم کردیں۔جن میں جاتے بہت سے مہذب لوگوں کو بھی شرم نہیں آتی - لکھنؤ میں چودھرائن - بی حیدر جان اور اسی پایہ کی چند اور رنڈیوں کے مکان اچھے خاصے شرفا کے کلب تھے - جن میں صاحب محفل یعنی اُن بی صاحبہ کی طرف سے حقے پان کی بخوبی خاطر کی جاتی - انگریزی مذاق نے اب اتنی اصلاح ضرور کی ھے کہ اگرچہ طرح طرح کی نئی بداخلاقیاں پیدا ہوگئی ھیں مگر رنڈیوں کے گھروں میں علانیہ بیٹھہ کے لطف صحبت اڑھانا ذرا معیوب سمجھا جانے لگا ھے -

بہ ہر حال لکھنؤ کے کلب خوش باش لوگوں اور امیروں کے گھر تھے - یہاں یہ طریقہ نہایت ھی معیوب تھا اور ابتک ھے کہ ساجھے کی ھانڈی پکائی جائے یا حاضرین محفل چندہ دے کے اور اپنے اپنے داموں کا حقہ پان یا کھانا پانی ایک ساتھہ بیٹھہ کے کھائیں پئیں - یہاں چندے کے ڈنر قوم کے لئے مایۂ شرم اور خلاف شرافت تھے - اور یہاں کی تمام دعوتیں عام اس سے کہ خوشی کی تقریب میں ہوں یا محض دوستانہ ہم صحبتی کے لئے فقط ایک شخص کی طرف سے ہوا کرتیں - دوسرا اگر استطاعت رکھتا ہو

تو اپنی طرف سے پوری دعوت دے سکتا ھے - یہ نہیں کرسکتا کہ اپنی دعوت میں مجھہ سے کھانے کے پانچ روپیے لے کے مجھے بھی شریک کرلے - دھلی کے تاجروں میں پتی پڑنے کا رواج ھے - یعنی بہت سے تاجر مل کے چندہ جمع کرتے ھیں اور اس رقم سے کوئی دعوت یا رقص و سرود کی صحبت کسی گھر میں یا باھر کی تفرج گاھوں میں کی جاتی ھے - مگر ھمیں یقین ھے کہ یہ طریقہ وھاں کی تجارت نے زوال سلطنت کے بعد نکال لیا ھے - شرفائے دھلی کا یہ مذاق ھرگز نہ تھا - اس لئے کہ وھاں کے شرفا میں ھوتا تو لکھنؤ میں بھی ھوتا - جو معاشرت ھیں دھلی کا شاگرد اور اسی کے اگلے نکھرے مذاق کا نام لیوا ھے -

صاحب سلامت اور مزاج پرسی :—آداب معاشرت میں چھٹی چیز جو سب باتوں سے زیادہ اھم اور ضروری ھے سلام کرنا اور جس سے ملیں اس کا مزاج پوچھنا ھے - اسلام کا قدیم مذھبی اور سیدھا سادہ سلام "السلام علیک" - اور بہت سے لوگ ھوں تو "السلام علیکم" ھے - اسکے ساتھ ھی وہ لوگ اس سلام کے بعد ھر ملنے والے سے صبح کو ملیں تو صبحکم اللہ بالخیر" یعنی اللہ تمھاری صبح خریت سے گذارے - اور شام کو ملیں تو "مساکم اللہ بالخیر" کہا کرتے تھے - یہی سلام اور مزاج پرسی عربوں کی تھی جسے تعلیم دیتے ھوئے وہ مغرب میں اندلس تک چلے گئے - اور مشرق میں ھندوستان تک چلے آئے - یورپ میں یہی طریقۂ صاحب

سلامت اُن سے اہل فرنگ نے سیکھا - اور مشرق میں ایرانیوں - تورانیوں اور ہندوستانیوں نے سیکھا - چنانچہ یورپ میں اصلی سلام جو اسلام کا خصیصہ تھا وہ تو غائب ہوگیا - فقط سلام کے بعد والی دعائیں ''صبحکم اللہ بالخیر،، اور ''مساکم اللہ بالخیر،، باقی رہ گئیں-انہین کا ترجمہ ''گڈ مارننگ،، اور ''گڈ ایوننگ،، آج تک ہم صاحب سلامت میں انگریزوں کی زبان سے سنتے ہیں-فرانسیسی میں - ''بوں متین،، بوں ژور'' اور ''بون سوار'' یعنی تمھاری صبح - دن - اور شام اچھی ہوں کہا جاتا ہے - اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مغربی قوموں کو صاحب سلامت کا یہ سبق اندلس کے عرب فاتحوں سے ملا ہے - ہندوستان اور ایران میں چونکہ بزرگوں کی پرستش کا رواج تھا اور یہ چیز ان مشرقی لوگوں کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی اس لئے خالی خولی ''السلام علیکم،، کے الفاظ جو افراد قوم کی مساوات کو قائم کرتے تھے دولت مندوں کو اپنے تبختر اور اپنی نخوت کے جوش میں بہت پھیکے اور اپنی شان سے کم نظر آئے، خصوصاً جب یہاں شاہنشاہی دربار قائم ہوا اور تاجداروں نے اپنی تعظیم و تکریم کرانے میں سارے اسلامی آداب کو مٹا دیا - درباریوں کو اپنے سامنے اسی طرح ہاتھہ باندہ کے کھڑے ہونے اور اپنی تعظیم میں جھکنے کا حکم دیا جس طرح کہ بندے خدا کے سامنے ہاتھہ باندہ کے کھڑے ہوتے اور رکوع و سجود کرتے ہیں تو شاہی درباروں کی پیروی میں عام امرا اور دولت مندوں نے

بھی بجائے ,, السلام علیکم ،، کے دیگر تعظیمی الفاظ سلام کے لئے مقرر کئے - مثلاً ,, تسلیم ،، ,, کورنش ،، ,, آداب ،، ,, بندگی ،، اور خود پرست و خدا فراموش امرائے اسلام کی برکت سے فی الحال یہ سب الفاظ ہمارے سلام ہیں عرب میں ,, السلام علیکم ،، کہنے کے ساتھ سوا خندہ جبینی کے اور کوئی حرکت نہیں کی جاتی تھی - فقط سلام کے بعد ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا جاتا - مصافحہ میں ہاتھ کو حرکت دی جاتی اور اسی کے ساتھ ,,صبحکم اللہ بالخیر،، ,,یا مساکم اللہ بالخیر،، کہا جاتا - اس عربی طرز صاحب سلامت کی یادگار میں اب یورپ میں سر کی ایک خفیف حرکت کے ساتھ ,, گڈمارننگ ،، وغیرہ کہتے اور ہاتھ کو ملا کے جھٹکا دیتے ہیں - بخلاف اس کے ہندوستان میں اب پورا سلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا الفاظ کہنے کے ساتھ ہاتھ کو سر یا پیشانی پر رکھتے اور رکوع کے درجے تک یا اس سے کسی قدر کم جھکتے ہیں - یہ جھکنا اور پیشانی پر ہاتھ رکھنا خالص ہندو اثر اور مشرکانہ جذبات کی یادگار ہے -

ان دونوں باتوں میں اشارہ ہے کہ ہم آپ کے قدموں پر سر جھکاتے اور آپ کے سامنے زمین بوس ہوتے ہیں -

اسی قدر نہیں بادشاہوں اور امیروں کے درباروں میں سلاموں کی تعداد مقرر تھی - کہیں سات سلام کئے جاتے اور کہیں تین - عام بزرگوں اور دوستوں سے ملنے میں ایک سلام کافی تھا - لکھنؤ میں چونکہ آداب و حفظ مراتب

کا زیادہ خیال تھا اس لئے کہ خردوں کا سلام بزرگوں سے اور نیز متوسط درجے والوں کا معزز لوگوں سے یہ ھے کہ الفاظ مذکورہ میں سے کسی ایک کو زبان سے ادا کرنے کے ساتھ داھنے ھاتھ کو سینہ یا چہرہ کے سامنے تک اُٹھا کے کئی بار حرکت دی جائے - خردوں کے لئے آج تک یہ نہایت ھی پسندیدہ اور سعادت مندانہ سلام ھے - یہ ھاتھ کو کئی بار حرکت دینا متعدد سلاموںکا اشارہ ھے - علی ھذالقیاس اکثر لوگ تسلیم اور کورنش کو جمع کے صیغوں میں استعمال کرکے کہتے ھیں - ''تسلیمات'' اور ''کورنشات'' یہ بھی سلام کے تعداد کی یاد گار ھے - اب ھم مذکورہ بالا مروجہ الفاظ سلام کے معنی اور ان کی شان و اصلیت جدا جدا بیان کرتے ھیں - تسلیم کے معنی عربی میں ''سلام کرنا'' ھیں - بظاھر ''السلام علیکم'' کو چھوڑ کے فعل کا صیغہ استعمال کرنا لغو سا معلوم ھوتا ھے مگر یہاں کی سوسائٹی میں یہ سمجھا گیا کہ بجائے سلام کرنے کے ''میں سلام کررھا ھوں'' کہنے میں زیادہ اظہار تعظیم ھوتا ھے - کورنش ترکی زبان کا لفظ ھے جو ترکی فاتحین ھند کے ساتھ یہاں آیا - اس کے معنی سلام کے لئے جھکنے کے ھیں-لہذا اس میں بھی جھک کے زمیں بوس اور قدم بوس ھونے کا خیال موجود ھے - آداب لفظ ادب کی جمع ھے - سلام کے محل پر اُس کے زبان پر لانے کا منشا یہ ھے کہ ادب و تعظیم کے جتنے طریقے ھیں ان سب کو بجالاتا ھوں - بندگی کے

معنی پوجنے اور عبادت کرنے کے ہیں - سلام میں اس کا منشا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ میں حق عبودیت بجا لاتا ہوں - جو مسلمانوں کے عقائد کی رو سے خدا کے سوا اور کسی کے مقابل نہیں کہا جاسکتا - بخلاف ان ہندوستانی سلاموں کے عرب میں جو الفاظ ,, السلام علیکم ،، کہے جاتے ہیں ان کا لغوی ترجمہ یہ ہے کہ ,, تم پر سلامتی ،، یا صاف اردو میں یوں کہئے کہ ,, تم سلامت رہو ،، یعنی سلام کرنا در اصل ہر ملنے والے کو سلامتی کی دعا دینا ہے - اسلام نے اس پر ترقی یہ کی کہ ,,سلام،، خدا کا پیام ہے جو رسول خدا صلعم نے مسلمانوں کو پہنچایا - اور قیامت تک آپ کا یہ پیام ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو پہنچاتا رہے گا - ,, السلام علیکم ،، میں سلام پر جو الف لام لگا ہوا ہے اس میں صاف اسی جانب اشارہ ہے کہ وہی سلام جو حضرت رسالت کا پیام ہے تم کو پہنچے -

اسلام کے اصلی سلام کے ان معنوں اور اس کے مقصد کو سمجھ کے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ سلام قومی مساوات کا خیال دلانے اور تمام پیروان رسالت محمدی میں قومیت و اخوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے - مگر افسوس مسلمانوں نے اُسکو چھوڑ دیا - اور ہمارا فضول تبختر اب ہمیں یہ خیال دلاتا ہے کہ کسی معمولی مسلمان کا ہم سے ملتے وقت ,, السلام علیکم ،، کہنا ہماری توہین کرنا ہے - اس پر طرہ یہ ہوا کہ شیعہ سنی کے اختلاف نے چونکہ یہ شان پیدا کردی ہے کہ دونوں بجائے ایک قوم بننے اور ایک جماعت

ثابت ہونے کے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز رہنا چاہتے ہیں - عوام ہی نہیں دونوں فریقوں کے متاخر علما و مصنفین تک نے اپنے اپنے فریق کو دوسرے کے عادات و اطوار سے نفرت کرنے کا سبق دیا ہے - اس رجحان کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب و عجم تک میں تو شیعہ و سنی دونوں کا سلام ،، السلام علیکم ،، تھا مگر ہندوستان خصوصاً لکھنؤ کے شیعوں نے ،، السلام علیکم ،، کو سنیوں کے سرمار کے اپنے لئے ،، سلام علیکم ،، کے الفاظ مخصوص کر لئے ہیں - وہ زیارت ائمہ پڑھنے میں تو وہی پرانے الفاظ مثلاً ،، السلام علیک یا ابا عبداللہ علیک السلام ،، کہتے ہیں مگر ملنے جلنے والوں سے جب صاحب سلامت کرتے ہیں تو کہتے ہیں ،، سلام علیکم ،، اس لئے کہ ،، السلام علیکم ،، سنیوں کا سلام ہے- تاہم زیادہ تر یہ اگلا عربی سلام سنی اور شیعہ دونوں میں مذہبی لوگوں کے لئے مخصوص ہوگیا ہے یا مذہبی شان و وضع میں داخل ہے - ورنہ اُمراء کی سوسائٹی میں ،، آداب ،، و ،، تسلیم ،، کا عام رواج ہے - بندگی بھی اکثر لوگ کہتے ہیں مگر یہ لفظ عورتوں میں زیادہ مروج ہے - لکھنؤ میں پرانا مہذب اور شائستہ لوگوں کا سلام یہ تھا کہ چھوٹا بڑے سے یا غریب امیر سے نہایت جھک کے تسلیم یا آداب کہے - جواب میں بزرگ خردوں سے کہیں ،، جیتے رہو ،، ،، بڑے ہو ،، ،، صاحب اقبال ہو ،، - امراء غریبوں کے لئے بغیر جھکے فقط ہاتھ اُٹھا دیں یا ہاتھ اُٹھانے کے ساتھ اُنہیں الفاظ تسلیم و اداب و تسلیم کا اعادہ کریں یا

بندگی کہدیں - مگر برابر والوں کا طریقہ جواب دینے میں یہ تھا کہ راہ چلتے میں صاحب سلامت ہو تو اُسی طرح جھک کے ,, تسلیم ،، یا ,,آداب،، کہیں - اور اگر کسی محفل میں بیٹھے ہوں تو پوری طرح اُٹھ کھڑے ہوں اور جھک کے جواب دیں - سلام کے بعد ایک دوسرے سے کہے ,, مزاج شریف،، یا ,,مزاج اقدس یا ,,مزاج عالی،، یا ,,مزاج مبارک،، یا ,,مزاج معلے اور دوسرا ہاتھ جوڑ کے کہے ,,دعا کرتا ہوں،، تقریباً سارے ہندوستان میں مہذب و شائستہ لوگوں کا طریقۂ سلام و مزاج پرسی یہی ہے - مگر لکھنؤ میں اور چند شہروں میں جہاں ہندوستانی ریاست قائم ہے اور کوئی دربار موجود ہے اُن طریقوں کے ادا کرنے میں زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے اور اس میں کمی ہونا بدتمیزی خیال کی جاتی ہے - مگر اب چند روز سے خصوصاً لکھنؤ میں عوام اہل حرفہ اور ادنی طبقے والوں میں اگلے دربار اور اس کے آداب کے مٹ جانے سے ,,السلام علیکم،، کہنے کا بہت رواج ہوگیا ہے - خدا کرتا امرا بھی اس کی پیروی کرتے اور ادنی و اعلی کا امتیاز بالکل اٹھ جاتا -

طرز کلام - آداب معاشرت میں ساتویں اہم چیز گفتگو اور طرز کلام ہے - دنیا میں ہر شخص کی شائستگی اور ادبی قابلیت کا پہلا اندازہ اُس کے الفاظ اور اُس کے انداز گفتگو سے ہوتا ہے - دنیا کی ہر اقبال مند قوم سب سے پہلے اپنی زبان کی اصلاح کرتی اور اُسے ترقی دیتی ہے - تہذیب و

شائستگی کا تقاضا یہ ہے کہ زبان پر مکروہ و فحش الفاظ نہ آئیں - جو الفاظ و خیالات مخاطب کو ناگوار گزریں اُس کے سامنے زبان سے نہ نکلیں اور اگر کبھی ناگوار مضامین کے ظاہر کرنے کی ضرورت پیش بھی آئے تو وہ ایسے الفاظ اور ایسے عنوان سے ادا کئے جائیں کہ مخاطب کو گراں نہ گزریں اور اگر گراں گزریں تو اُن کی گرانی میں ایک گونہ گوارائی و لطف پیدا ہوجائے - اس بارۂ خاص میں اہل زبان لکھنؤ اور یہاں کے شائستہ لوگوں کو جو کمال حاصل ہے ہندوستان کے کسی شہر والوں میں نہ نظر آئے گا - اگر چہ موجودہ تعلیم و تہذیب نے ایک حد تک یہ خوبی ہر جگہ انداز گفتگو میں پیدا کر دی ہے مگر انگریزی اثر سے معرے کر کے دیکھئے تو بالذات یہ شائستگی و شستگی زبان اہل لکھنؤ ہی کا حصہ نظر آئے گی -

باہر کے لوگ اس کا یہاں تک لوہا مانے ہوئے ہیں کہ لکھنؤ والوں کے سامنے گفتگو کرتے جھنپتے اور جس قدر شائستگی اُن میں ہے اُس کو بھی بھول جاتے ہیں - اور اس کے بعد جب اپنی صحبتوں میں بیٹھتے ہیں تو یہ کہہ کے اپنی کمزوری کا الزام دور کرتے ہیں کہ "ہم سادگی سے صاف صاف باتیں کرتے ہیں اور ہمیں لکھنؤ والوں کی سی چناں و چنیں نہیں آتی" مگر در اصل یہ عذر بدتر از گناہ ہے - میں نے ایرانیوں کو دیکھا کہ ان کے سامنے ہندوستانی بات کرنا بھول جاتے ہیں - انگلستان میں دیکھا کہ فرانسیسیوں نے

سامنے انگریزوں کی زبان سے ایک لفظ نکلنا بھی مشکل ہوجاتا ہے ۔ اسی طرح عربوں کی طاقت لسانی کی کبھی یہ حالت تھی کہ اُن کے سامنے غیر ملک والوں کی زبان نہ کھل سکتی تھی ۔ اور عرب لوگوں کا خیال ہوگیا تھا کہ "زبان خدا نے فقط ہم کو دی ہے اور ساری دنیا ہمارے مقابل گونگی ہے"۔اسی خیال کا نتیجہ تھا کہ ماسوا عرب کے تمام دنیا کے لوگوں کو وہ "عجم" کہتے تھے۔جس کے لغوی معنی "گونگے" کے ہیں۔بعینہ یہی حال ہندوستان میں ہر شہر کے لوگوں کے مقابل لکھنؤ والوں کا ہے کہ وہ فصاحت و بذلہ سنجی میں سب کو دبا کے صحبت پر چھا جاتے ہیں ۔ اور اپنے سامنے کسی اور کو زبان نہیں کھولنے دیتے ۔ شائستگی زبان میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ مخاطب کو کن ضمائر سے یاد کیا جائے ۔ اور سب زبانوں میں مخاطب کے لئے دو ضمیریں ہیں ۔ ایک واحد کی اور ایک جمع کی ۔ اور معزز مخاطب کے لئے واحد کی جگہ ہر زبان میں تعظیماً جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی ہے ۔ فارسی میں واحد مخاطب کی ضمیر "تو" ہے جمع کی "شما" عربی میں واحد کی "ک" اور "انت" اور جمع کی "کم" اور "انتم" ۔ انگریزی میں "یو" کے لفظ سے معزز شخص مخاطب کیا جاتا ہے ۔ بخلاف ان سب زبانوں کے اردو میں مخاطب کے لئے واحد کی تو ایک ہی ضمیر "تو" ہے مگر جمع کی دو ضمیریں ہیں "تم" اور "آپ" ۔ اور ان تینوں

ضمیروں کے لئے مخاطب کا درجہ اور مرتبہ مقرر ہے۔ ایک بہت ادنی شخص کو ,, تو ،، کہیں گے ۔ ادنی درجے کے لوگوں میں جو ذرا امتیاز رکھتا ہو اُسے اور اپنے خردوں کو ,, تم ،، کہیں گے ۔ اور جو ہم رتبہ معزز و تعلیم یافتہ شریف ہو اُسے ,, آپ ،، کہیں گے ۔ اگرچہ معزز درجے کے لوگ کبھی بے تکلفی میں اپنے اقران و امثال اور اپنے ہم سنوں کو بھی ,, تم ،، کہنے لگتے ہیں ۔ مگر جن لوگوں سے بے تکلفی نہ ہو اُن کو ,, تم ،، کہنا اردو میں خصوصاً اہل لکھنؤ میں اخلاقی و ادبی جرم ہے ۔

اردو زبان میں اور خاص لکھنؤ والوں میں مخاطب کے اتنے ہی درجے نہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کے بہت سے الفاظ ہیں جن کا شرفا و معززین کے مقابلے میں استعمال کرنا لازمی ہے۔ جناب ۔ جناب والا۔ جناب عالی حضرت ۔ حضرت والا ۔ حضور ۔ حضور والا ۔ حضور عالی ۔ قبلہ ۔ قبلہ و کعبہ ۔ سرکار ۔ اور اسی قسم کے چند اور الفاظ اردو میں مخاطب کی نسبت حسب درجہ استعمال کئے جاتے ہیں جو لکھنؤ والوں کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں اور اُن کا صحیح استعمال جس قدر اہل لکھنؤ جانتے ہیں اور کسی دوسرے شہر کے لوگ نہیں جانتے ۔

ہمارا دعوے ہے کہ اتنے تعظیمی الفاظ خطاب دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہیں ۔ ہندوستان میں وہ زمانہ گزر گیا جب اردو یہاں کی تمام زبانوں کی ادب آموز تھی ۔ اور اب ادب اردو کی شاگردی سے آزاد ہوکر سب زبانیں کوس ,,لمن الملکی،،

بجارهی هیں - بنگالی - پنجابی - گجراتی - سندهی - مرهٹی - کنٹری - تلنگی وغیرہ سب کو اپنی ادبی ترقی و فصاحت کا دعوی هے - مگر هم مذکورہ هندوستانی زبانون کو اور اُن کے ساتھ ساری دنیا کی مشهور زبانوں فارسی - عربی - انگریزی اور فرانسیسی کو بهی چیلنج دیتے هیں که اگر ان کو اردو سے زیادہ ادبی وسعت و فصاحت کا دعوے هے تو مخاطب کے لئے اپنی لغتوں میں اتنے لفظ نکال دیں جتنے که اردو میں موجود هیں - سچ یه هے که باوجود اپنی کم عمری اور اپنے محدود رقبۂ تصرف کے اردو چند هی روز میں شائستگی- لطافت اور مناسبات علم مجالس کے اعتبار سے اس درجۂ کمال کو پهنچ گئی تهی جو دنیا کی کسی زبان کو نهیں حاصل هے- اصل حقیقت یه هے که اردو کسی ملک کسی صوبے-کسی گروہ کسی مذهب کی زبان نه تهی-بلکه یه وہ زبان تهی جو شاهی دربار سے شروع هو کے هندوستان کے هر شهر میں مهذب و شائسته لوگوں - نکهری صحبت والوں - صاحبان علم و فضل - شاعروں اور ادب و اخلاق کے شیداؤں کی زبانوں پر جاری هوگئی تهی - لهذا اِس کی بنیاد هی تهذیب و شائستگی کے هاتهوں سے پڑی - اور آخر تک نکهرے مذاق والوں اور شیدایاں سخن کے ساتھ مخصوص رهی - اسی کا نتیجه هے که اردو بولنے والوں کی مجارٹی کسی صوبے میں نهیں - مگر یاد رکهنا چاهئے که هر جگه کے مهذب و شائسته لوگ اُس کے بولنے والے هیں - یه پیدا اسی لئے هوئی تهی که هندوستان

میں ایک اعلی درجے کی اور ساری دنیا سے زیادہ شائستہ سوسائٹی پیدا کردے - مگر بدنصیبی سے انگریزی دور میں جب مغربی معاشرت و ادب نے جگہ پکڑی تو ہندوستانیوں کے باہمی اور قدیم فطری تعصبات نے یہ رنگ دکھایا کہ مسلمان اس پر ناز کرنے لگے کہ ہماری زبان ہے اور ہندوؤں نے یہ خیال کرکے کہ اس زبان میں ہم مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اُسے مسلمانوں ہی کے سر مارا اور دامن جھٹک کے علحدہ ہوگئے - اس سے اردو کو نقصان پہنچا - اور روز بروز زیادہ نقصان پہنچے گا - مگر باوجود اس کے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو رسیلاپن - جو ادبی خوبیاں اس میں ہیں نہ نئی پیدا کی ہوئی ہندی زبان میں ہیں اور نہ ہندوستان کی کسی اور زبان میں -

انگریز ہوں یا عرب - افغانی ہوں یا ایرانی جب اردو بولتے ہیں تو مخاطب کے لئے سوا ,, تم " کے اور کوئی لفظ اُن کے خیال میں نہیں آتا - اس لئے کہ اس قسم کا اور کوئی لفظ جو " تم ،، سے زیادہ شائستہ و ترقی یافتہ ہو اُن کی زبان میں موجود ہی نہیں ہے -

انگریزی میں خطاب کے اور الفاظ ہیں مثلاً "یور آنر ،، - ,, یور اکسلنسی ،، - " یور ہائنس ،، " یور مجسٹی ،، وغیرہ - مگر وہ اعلی درجے کے اُمرا اور بادشاہوں کے لئے خاص ہیں - اُن کے سوا اور کسی کی نسبت نہیں استعمال کئے جاسکتے - اس قسم کے مختص الاشخاص الفاظ اردو میں بھی ہیں -

مثلاً جہاں پناہ - صاحب عالم - مرشد زادہ - نواب صاحب - نواب زادہ - صاحب‌زادہ - یہ خاص اعلی طبقے کے لوگوں کے خطابات ہیں - جن کے ساتھہ جناب یا حضور کے الفاظ ملا کے خطاب کیا جاسکتا ہے - اور غالباً اس قسم کے مخصوص خطابات ہر زبان میں موجود ہوں گے - مگر مذکورۂ بالا تعظیمی الفاظ جو اردو زبان میں ہر معزز و شائستہ انسان کی نسبت استعمال کئے جاسکتے ہیں اردو کے سوا اور زبان میں نہیں نظر آتے -

مزاج پرسی کو دیکھئے - ہر زبان میں اس کے لئے معمولی الفاظ ہیں مگر اردو میں ادب و احترام کی نگہداشت کے لئے مزاج عالی - مزاج مبارک - مزاج اقدس - مزاج مقدس - مزاج معلی وغیرہ کہہ کے معزز مخاطب کی خیریت دریافت کرتے ہیں - یہ الفاظ اگرچہ اب ترقی اردو کے ساتھ ہر جگھہ اور ہر شہر میں پھیل رہے ہیں مگر اُن کے استعمال میں جو اجتہادی ملکہ شرفائے لکھنؤ کو حاصل ہے اور کسی جگھہ کے لوگوں کو نہیں نصیب ہوسکتا -

شرفائے لکھنؤ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ " ش " " ق " درست رہے گا - اور تمام عربی حرفوں کو حتی‌الامکان اُن کے اصلی مخرج سے ادا کریں گے - فارسی ترکیبوں میں اضافت نمایاں طور پر ادا کی جائے گی - علما اور ذی علم لوگوں سے باتیں کریں گے تو عربی و فارسی الفاظ کو زیادہ استعمال کریں گے - اور ان کو صحیح تلفظ سے ادا کریں گے - اطباء

سے گفتگو ہوگی تو عربی کے طبی مصطلحات کو کام میں لائیں گے۔ جاہل نوکروں اور عوام سے بات کریں گے تو عربی الفاظ سے بچیں گے۔ عورتوں سے بات چیت ہوگی تو ان کے مذاق کے محاوروں اور مثلوں کو گفتگو میں صرف کریں گے۔

خرد بزرگ سے۔ ادنی اعلی سے۔ یا عامی عالم سے گفتگو کرے گا تو ہر لفظ اور ہر فقرے میں ادب و تعظیم کا خیال رکھے گا۔ آواز مناسب درجے تک پست اور نیچی رہے گی اسی طرح بزرگ خردوں سے اعلی طبقہ والے ادنی لوگوں سے۔ علما عوام سے بات کریں گے تو اُن کے لہجہ اُن کے انداز اور اُن کے الفاظ میں شفقت و محبت کے جذبات مضمر ہوں گے۔ اِن باتوں کا لحاظ رکھنے اور مذکورۂ بالا ادب و تعظیم کے الفاظ و ضمائر استعمال کرنے سے اہل لکھنؤ کی زبان اس قدر شائستہ اور شستہ و رفتہ ہو گئی ہے کہ یہاں کے عوام اور جہلا دوسرے شہروں کے اکثر شعرا و فصحا سے زیادہ اچھی اردو بولتے ہیں۔ اور جو شائستگی و تمیز داری اُن سے ظاہر ہو جاتی ہے کسی اور مقام کے قابل و ذی علم لوگوں سے بھی نہیں ظاہر ہوسکتی۔ مگر افسوس لکھنؤ مٹتا جاتا ہے۔ اب یہاں بیرونی لوگوں کا ایسا طوفان بے تمیزی بپا ہے۔ یہاں کے شائستہ لوگ اس طرح بیکار ہو کے کونے میں بیٹھ گئے ہیں۔ اور قانونی آزادی نے جہلا و عوام کو اِس درجہ بے باک و بدتمیز بنا دیا ہے کہ تمام ادبی خوبیاں خاک میں مل رہی ہیں اور چند روز بعد شائد اُن کا پتہ بھی نہ ہو۔

آداب معاشرت میں آٹھویں چیز طریقۂ مذاق ہے۔ عرب کا پرانا مقولہ بلکہ مشہور حدیث نبوی ہے کہ کلام میں ظرافت ویسی ہی ہے جیسے کھانے میں نمک سچ تو یہ ہے کہ شوخی و ظرافت کے بغیر نہ کلام میں مزہ پیدا ہوتا ہے اور نہ صحبت میں جان پڑتی ہے۔ مگر اسی ظرافت میں اگر بے احتیاطی ہوجائے تو وہ ہی سخت فتنہ و فساد کا باعث ہو جاتی ہے۔ ظرافت نے باتوں میں اکثر تلوار چلوادی ہے۔ اور پرانے جانی دوستوں کو گھڑی بھر میں دشمن بنا دیا ہے غور سے دیکھو تو صاف نظر آجائے گا کہ اِن خرابیوں کا باعث ظرافت نہیں بلکہ ظرافت میں بے احتیاطی کرنا یا اعتدال سے باہر ہو جانا ہوا ہے۔

جو زبان جتنی زیادہ ترقی کرتی ہے اسی قدر اُس میں مذاق و ظرافت کے پہلو بڑھتے جاتے ہیں۔ کلام میں ظرافت جن طریقوں سے پیدا ہوجاتی ہے اُن کا محصور کرنا بہت دشوار ہے۔ صدھا طریقے ہیں جن سے ایک فصیح البیان شخص اجتہادی طور پر فائدہ اُٹھا لیا کرتا ہے۔ اور اُن کے متعلق تفصیلی بحث کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب چاھئے۔ ھمیں اس موقع پر فقط اِس قدر کہنا ہے کہ زیادہ تر بنائے ظرافت ایسے الفاظ ہوا کرتے ہیں جو مختلف معنی رکھتے ہوں۔ اور بعض معنوں سے کسی پر تعریض ہوتی ہو۔ اور کبھی ظرافت میں ایسے الفاظ سے بھی کام نہیں لیا جاتا بلکہ کسی انسان یا چیز کو کسی ایسی شئے سے تشبیہ دی

جاتی ہے جو باجود غیر متناسب ہونے کے مشابہ ہو - پھر اُس تشبیہ کو ایسے عنوان اور پہلو سے ادا کرنا کہ اس میں بعوض تشبیہ کے استعارہ کی شان پیدا ہوجائے - علی ہذا القیاس کبھی اپنے آپ کو یا کسی اور کو اس قدر بڑھانا یا اتنا گھٹانا کہ اصلی درجے سے بہت دور ہوجائے - ان سب باتوں کے لئے سلیقے کی ضرورت ہے - اچھا سلیقہ رکھنے والا سخت سے سخت تعریض کرتا ہے اور ناگوار سے ناگوار تشبیہ دے دیتا ہے مگر کسی کا دل میلا نہیں ہوتا - یا کسی کو اظہار ناگواری کی گنجائش نہیں ملتی - بخلاف اس کے اگر کسی بدسلیقہ شخص نے یہ کام کرنا چاہا تو لوگ بگڑ کھڑے ہوتے ہیں اور عداوت پر آمادہ ہوجاتے ہیں - اس کا جیسا اچھا سلیقہ لکھنؤ کے عوام الناس کو ہے اور جگہ کے خاص لوگوں میں بھی نہیں نظر آتا -

ایک بنگالی عالم ڈاکٹر اگھورناتھ نے جو بڑے عالم و فاضل - فلسفے میں یکتائے روزگار - لٹریچر کے ڈاکٹر اور اردو کے اچھے ماہر تھے زبان اردو پر اعتراض کرنے کے عنوان سے مجھ سے کہا ,, صاحب یہ کون سی زبان کی خوبی ہے کہ ایک دفعہ میں نے ایک صحبت میں کہا - ہم آج کل دودھ پیا کرتے ہیں - اس پر سب لوگ بیساختہ ہنس پڑے،، میں نے کہا اردو کا یہی اعلیٰ درجہ کا حسن ہے - آپ چونکہ اس زبان میں ناقص ہیں اس لئے آپ کو بجائے اپنے عیب کے یہ زبان کا عیب نظر آیا - ہر زبان میں ذو معنی لفظ ہوا کرتے

هیں - اور زباندانوں کا کام یہ ہے کہ تمام ذم کے پہلوؤں کو بچا کے لفظوں کو استعمال کیا کریں - انگریزی میں لفظ ,, کنسیو ،، کے معنی خیال کرنے کے بھی ہیں اور حاملہ ہونے کے بھی - ایک مشہور لاٹ صاحب نے پارلیمنٹ میں تین بار کہا ,, آئی کنسیو " اور آگے سوچنے لگے - کسی نے پکار کے کہدیا جناب نے تین بار ,, آئی کنسیو " کہا اور ہوا کچھ نہیں - یعنی تین بار حمل رہا اور پیدا کچھ نہ ہوا - اس پر سب نے قہقہہ لگایا اور وہ لاٹ صاحب جھیپ گئے اور اسی طرح اردو میں ہزارہا الفاظ میں جن میں مختلف پہلو نکلتے ہیں-بولنے والا اُن کے استعمال کا صحیح سلیقہ نہ رکھتا ہوگا تو بات بات پر ہنسا جائیگا - یہی مذکورۂ بالا " دودھ پینے ،، کا جملہ ہے - ہندوستان میں دودھ پینا،، شیر خوار بچوں کا کام ہے - اور کسی عاقل بالغ کے لئے کہنا ,, یہ دودھ پیتے ہیں" عیب ہونیکے علاوہ ان معنوں میں مستعمل ہوتا ہے کہ ابھی نادان اور نا سمجھ ہیں - اس پہلو کے بچانے کے خیال سے اہل لکھنؤ یہ کبھی نہ کہیں گے کہ ,, میں دودھ پیتا ہوں ،، بلکہ اس مضموں کو یہ عیب کا پہلو بچا کے مختلف عنوانوں سے ادا کریں گے - کہیں گے کہ " میں آج کل دودھ کو استعمال کرتا ہوں " آج کل میری غذا دودھ ،، " دودھ سے چاول کھاتا ہوں،، لکھنو والوں کی ان احتیاطوں کو دیکھہ کے آگرہ کے ایک قابل و زباندان شاعر کو دھوکا ہوا کہ لکھنؤ والوں کی زبان دودھ کھاتا ہے وہ دودھ پیتا نہیں - لکھنؤ کے ایک صاحب

سے اِس بارے میں اختلاف ہوا - اور حکم کے طور پر مجھہ سے دریافت کیا گیا - میں نے کہا ,, دودہ پینے کی چیز ہے - کوئی اس کی نسبت کھانے کا لفظ کیسے استعمال کرسکتا ہے - ہاں یہ ضرور ہے کہ ذم کا پہلو بچانے کے لئے اہل لکھنؤ ''پینے کا لفظ اپنی نسبت استعمال نہ کریں گے''۔ ایک اسی محاورے پر منحصر نہیں اردو میں صدہا الفاظ میں مختلف محاوروں اور معنوں کی وجہ سے ذم کے پہلو پیدا ہوگئے ہیں - اور ہر اہل زبان کا کام ہے کہ ان سے بچیں - یا کوئی شخص کسی کی نسبت مذاقاً استعمال کر جائے تو اس کا فرض ہے کہ سمجھے اور جواب دے - ورنہ سمجھہ لیا جائیگا کہ وہ زبان سے ناواقف ہے -

اہل لکھنؤ میں شوخی و ظرافت بہت ہے - وہ اپنے کلام میں صدہا عنوانوں سے ظرافت پیدا کیا کرتے ہیں - اور جو اس فن میں جتنا زیادہ کمال رکھتا ہے اتنا ہی زیادہ اہل سخن کی محفلوں میں چمکتا اور ممتاز ثابت ہوتا ہے - میں یہ نہیں کہتا کہ اور مقامات کے لوگوں میں یہ ملکہ نہیں ہے اور کثرت سے ہے - اور اب اردو زبان سارے ہندوستان میں اس طرح ترقی کررہی ہے کہ ہر جگھہ اعلے درجے کے ظریف پیدا ہوتے جاتے ہیں - اور سخن دانی و سخن فہمی کا شعور بڑھہ رہا ہے مگر لکھنؤ والوں میں یہ ملکہ طبیعت ثانویہ بن کے اُن کی فطرت و جبلت بن گیا ہے - اور لطافت کلام کے

ساتھ بذلہ سنجی و ظرافت میں جیسا بے تکلف اور ستھرا مذاق اُن کا نظر آئے گا اوروں کا نہیں ہوسکتا۔

آداب معاشرت میں نویں چیز شادی اور غمی کی محفلیں ہیں۔ مسلمانوں کی اگلی دولت مندی و حکومت نے ان کی عورتوں کی ارمانیں بمقابل اکثر مقامات کے یہاں بہت بڑھادی ہیں۔ ولادت سے لے کے شادی تک لڑکے کی ہر خوشی و کامیابی ایک تقریب بن جاتی ہے۔ پیدائش کے بعد ہی چھٹی چلہ اور درمیان کے نہان۔ عقیقہ۔ کھیر چٹائی۔ دودھ بڑھائی۔ بسم اللہ۔ ختنہ اور سب سے بڑھکر عقد نکاح۔ یہ سب بجائے خود شادی کی تقریبیں ہیں۔ اکثر بچوں کی سال گرہ ہوا کرتی ہے۔ مذکورہ تقریبوں کے علاوہ غسل صحت یا کسی خاص مقصد کے پورے ہونے پر بھی خوشی کی غیر معمولی تقریبیں ہو جاتی ہیں۔

ان سب تقریبوں میں قرابت والی بیویاں اور پاس پڑوس کی بہت سی شناسا عورتیں جمع ہوجاتی ہیں۔ زنانی محفلیں مرتب ہوتی ہیں۔ جن میں تختوں کے چوکوں پر اور زیارہ مہمان ہوئے تو زمین پر دری چاندنی کا اجلا فرش بچھتا ہے۔ دولت مند گھروں میں چاندنی پر تین طرف یا فقط صدر میں پر تکلف قیمتی قالیں بچھتے ہیں۔ کنول اور مردنگین روشن ہوتی ہیں۔ اور ڈومنیوں کا طائفہ سامنے بیٹھہ کے مجرا کرتا ہے۔ ناچنے والی ڈومنی گھونگھرو باندہ کے ناچتی اور بھاؤ بتاتی ہے۔ مجرے کے درمیان وقتاً فوقتاً ڈومنیاں

ہنسانے والی نقلیں کرتی ہیں - بہ ہر حال مسرت کے ولولے اور خوشی کے چہچہے ہوتے ہیں - اور ڈومنیاں اگرچہ مجرے میں اکثر بے اعتدالیاں کرنے لگتی ہیں اور صحبت میں بےحیائی و بے شرمی کو بڑھا دیتی ہیں مگر نشست و برخاست کے سلیقے - بیویوں کے باھمی ربط و ضبط - اور اُس کے ساتھہ حفظ مراتب میں کوئی فرق نہیں آنے پاتا - ہر تقریب کے متعلق صدہا رسمیں ہیں جن کا انجام پانا ضروری سمجھا جاتا ہے - اُن رسموں کی محافظ اور برقرار رکھنے والی بڑی بوڑھی عورتیں اور اُن کے ساتھ ڈومنیان ہوا کرتی ہیں - جن کو اُن رسموں کے بہانے بہت کچھ مل جاتا ہے - اکثر تقریبوں میں رت جگا ضرور ہوا کرتا ہے اور یہی ایک چیز ہے جو ہندوستانی عورتوں کے اعتقاد میں خالصۃً لوجہ اللہ ہے - اور جس میں ڈومنیاں ,, اللہ میاں کی سلامتی ،، کا نغمہ گاتی ہیں -

شب زندہ داری ہوتی ہے - مگر عبادت کے لئے نہیں بلکہ گانے بجانے رات بھر دھما چوکڑی مچانے اور صبح ہوتے مسجد میں جا دے اللہ میاں کا طاق بھرنے کے لئے - جن کی نذر کے لئے گلگلے اور خدا رحم مخصوص چیز ہیں - ان تقریبوں میں یہی کارروائی دیہات میں بھی ہوا کرتی ہے - مگر وہاں بدتمیزی و بد سلیقگی ہوتی ہے تو شہروالیوں میں نفاست - صفائی - خوش تربیتی - اور شائستگی -

—o:o—

غلط نامہ

نمبر صفحہ	غلط	صحیح
۱	اتپن	نین
	دھرم شرم گھر سے گھر	دھرم شرم بے شرم گھر سے گھر
	کیے	کسے
	وینا	دنیا
	نین	نیں
	کان	کاں
	دسریان	دسریاں
	اس بات یو	اس بات پر لو
۲	کین	کئیں
	دنیال	دنبال
	پزوردگار	پروردگار
	پوچھہ	یوچہ
	کیا	کا
	ہولے	ہوئے
	ناوے	نا ہوئے
	ملابحطہ	ملاخطہ

نمبر صفحه	غلط	صحیح
	نین	نیں
	کون	کوں
۳	کون	کون
	لوکان	لوکاں
	دل عین	دل میں
	همت دهرے	همت میں دهرنے
	پینا دنیا	پینا تو دنیا
	جان لگن	جاں لگن
	لوکان	لوکان
	جیونا نین	جیونا نیئں
	سون	سوں
	الجیاء	الحیاء
	چهوئیاں	جهوٹیاں
	ایمانان	ایماناں
٤	لتگاو و	لتگاوو
	نین	نین
	مون	موں
	انکهیان	انکهیاں
	گزرتا	گزرنا
	رس دکهه	دس کی دکهه

نمبر صفحہ	غلط	صحیح
٤	بہلیان	بہلیاں
	لوکان	لوکاں
٥	آدمی بھلے	بھلے آدمی
	لوکان	لوکاں
	مون	سوں
	کاڑ یا	کاڑیا
	ناویل	تاویل
٦	و و	دو
	مون	موں
٨	چہتا	چرتا
٩	ہونے	دھونے
	کھنچنا	کھینچتا
١١	کہ	ہوا
١٢	نہ	تہ
١٣	تفریف	تعریف
١٤	بیٹھایا	بٹھایا
١٥	بھر	پھر
	لاگر	لاکر
	آتکھوں	آنکھوں
١٦	یرا	پرا

نمبر صفحه	غلط	صحیح
١٧	زنگبوں	زنگیوں
	وه	دو
١٨	قفس	قفس میں
	نبرے	تیسرے
	ڈاے	ڈالے
١٩	کئی	گئی
	فرایا	فرمایا
٢٠	سنے	سننے
٢١	مع	منع
٢٢	حجام	حجامت
	یه صرف	به ضرب
	خا	خدا
٢٣	بلکه	ملکه
	لیس	پس
	گودن	گردن
٢٤	کہو	کہوں
	بیٹیں	بیٹھیں
٢٥	کے تو ہوئے	کے باہر تو ہوئے
	ٹھکانا پاتے تھے	ٹھکانا نہیں پاتے تھے
	ھرے	دھرے

نمبر صفحہ	غلط	صحیح
	ھاتھہ پیدا کریں	ھاتھہ آوے پیدا کریں
۲۶	درواز ھے	درد زہ
	حوالے کن	حوالے کی
	آفت	آفت سے
۲۷	لڑنے	اُڑنے
	تھمیرا	تمھارا
	کسوقت	کسو
۲۸	ھوں	ھو
۳۱	انھونے	انھوں نے
۳۲	پانی	پانی میں
	ڈکر کدا	ڈکر گدا
۳۳	بنربان	بیزبان
	تکلیف	تکلف
۳۴	بیسواھیں	بیسوا ھے
۳۹	دیکھتا ھوں	دیکھتا ھوں میں
	معراب	سراب
	متھن	
۴۲	سرد ھلایا	سر ھلایا
	وار	اور
۴۳	اتنہ بند	آئینہ بند

صحیح	غلط	نمبر صفحہ
استاد	استا	
کلس	کس	
روپہلا ہے	روپے	
گالا	کالا	
کیوں	کبو	
گیا	لیا	٤٤
ٹھہرا رہا		
نے	سے	
پکڑ کر	پلر لر	
ورنہ	اورنہ	
بغدہ	بفد	
جس	بس	
گرفتاری	رفاری	
گرفتار	کرما	
چپ	جب	٤٥
جمشید	جشید	
ہو کر	سولر	
بہتر ہے	بہرے	
کہکر	سر	
مل کر	ملر	

نمبر صفحہ	غلط	صحیح
	لولے	کو لئے
٤٦	باصبا	بادصبا
٤٧	کر	کمر
	عشق	مشق
٤٨	گدار	گدارا
	باھزاروں	باھزاراں
	ناروانداز	نازوانداز
	دونانشہ	دونا نشہ
	کشیر	کشمیر
٥٠	رادر	اور
٥٤	غم نامدار	عم نامدار
٥٧	پیادہ	پیادہ پا
	اود	اور
٦٦	سور رجسٹرڈ اسٹبل	سر رچرڈ اسٹیل
٦٩	علم پڑھنے	علم پڑھنے کو
	ریچوں	ریچھوں
	بھرڑایا	بھڑوانا
٧٠	نکلا	نکالا
٧٣	خواب	خراب
٧٤	لی	کی

نمبر صفحہ	غلط	صحیح
	حالت	حالت کی
۷۵	لولوں	لوگوں
	دلائث	دلائل
	لظف	لطف
۸۱	خلسار	خاکسار
۸۳	اڑھاما	اڑھانا
۸۸	عزث ودوام	عزت دوام
۸۹	هوا	هو
۹۰	پکڑ	پگڑ
۹۲	گھاتوں کی	گھاتوں
۹۹	شکرنا	شکر کرنا
۱۰۹	مرد آخر میں	مرد آخر بیں
۱۱۳	وکٹور	وکٹوریہ
	بیٹھہ کر رہے	بیٹھ رہے
۱۱۶	لخو	لغو
	طوف	طرف
۱۲۰	خردش	خروش
۱۲۶	عبارت	عبارات
۱۲۸	معنی	معناً
	غزل	غزال
۱۳۹	میں	هیں

نمبر صفحہ	غلط	صحیح
۱۵٤	تم سے بڑی امید ہے	تم سے بڑی امید ہے زہرا کی جائی کو بھیا تمہیں سے لیگی بہن اپنے بھائی کو
۱۷٤	صلوۃ	صلوٰۃ
۱۷۵	اپنے اپنے	اپنے
۱۷٦	بخشے گا	بحشے گا
۱۹۲	تیس	تین
۲۱۹	شبختترا	تبختر
	جھنپتے	جھینپتے
